5282CH13

موضوع
تیرہ

مہاتما گاندھی اور قومی تحریک

سول نافرمانی اور اس سے آگے

قوم پرستی کی تاریخ میں اکثر فرد واحد کو قوم کی تعمیر کے ساتھ شناخت کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم گیری بالڈی کو اٹلی کی تعمیر کے ساتھ، جارج واشنگٹن کو امریکہ کی جنگ آزادی کے ساتھ اور ہو چی من کو نو آبادیاتی حکومت سے ویتنام کو آزاد کرانے کی جدوجہد کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں، چنانچہ گاندھی جی کو ہندوستانی قوم کا 'بابا' (باپو) مانا گیا ہے۔

گاندھی جی جس حد تک جدجہد آزادی میں حصہ لینے والے تمام لیڈروں میں سب سے زیادہ مؤثر اور قابل تعظیم ہیں اس طرح یہ امتیاز بے محل نہیں ہے۔ تاہم واشنگٹن یا ہو چی من کی طرح مہاتما گاندھی کا سیاسی سفر اسی سماج نے تشکیل دیا جس میں وہ رہتے تھے۔ فرد واحد کے بجائے عظیم لوگ نہ صرف تاریخ بناتے ہیں بلکہ خود بھی تاریخ کے ذریعہ بنائے جاتے ہیں۔

اس باب میں 1948-1915 کے دوران ہندوستان میں گاندھی جی کی سرگرمیوں کا تجزیہ کیا جائے گا۔ یہ باب ہندوستانی سماج کے مختلف طبقات کے ساتھ ان کے جوابی عمل اور عوامی جدوجہد (جو ان سے محرک تھی اور جس کی انھوں نے قیادت کی تھی) کی تحقیق کرتا ہے۔ یہ باب طلبہ کے سامنے مختلف قسم کے ماخذ جس کو مؤرخین ایک لیڈر کے سیاسی سفر اور سماجی تحریکوں (جس سے وہ وابستہ تھے) کی تعمیر نو کے لیے استعمال کرتے ہیں پیش کرتا ہے۔

شکل 13.1
مارچ 1930 میں نمک کے لیے سفر شروع کرنے سے پہلے سابرمتی ندی کے کنارے عوام گاندھی جی کی تقریر سنتے ہوئے

© NCERT not to be republished

1. خود کو اعلان کرتا ایک لیڈر
(A LEADER ANNOUNCES HIMSELF)

موہن داس کرم چند گاندھی دو دہائی تک دیارِ غیر میں رہنے کے بعد جنوری 1915 میں اپنے مادر وطن واپس ہوئے۔ ان سالوں کا زائد حصہ انھوں نے جنوبی افریقہ میں گزارا جہاں وہ ایک وکیل کی حیثیت سے گئے تھے اور آگے چل کر وہ اس ریاست کی ہندوستانی جماعت کے لیڈر بن گئے۔ جیسا کہ مورخ چندرن دیوینسن نے تبصرہ کیا ہے کہ جنوبی افریقہ نے ہی گاندھی جی کو ''مہاتما'' بنایا۔ مہاتما گاندھی نے پہلی بار جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ کے طور پر معروف احتجاج ''عدم تشدد'' کی ممتاز تکنیک کو بتدریج آگے بڑھایا۔ پہلی بار مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دیا اور اعلیٰ ذات کے ہندوستانیوں کو نیچی ذات کے لوگوں اور عورتوں کے لیے ان کے امتیازی سلوک یعنی امتیاز پر مبنی سلوک کے لیے خبردار کیا۔

1915 میں جب مہاتما گاندھی ہندوستان واپس آئے تو اس وقت کا ہندستان 1893 میں ان کی روانگی کے مقابلے میں خاصا مختلف تھا اگرچہ ابھی تک یہ انگریزوں کی نوآبادیات تھا مگر سیاسی شعور و ادراک کے معاملے میں کافی سرگرم تھا۔ زیادہ تر بڑے شہروں اور قصبوں میں انڈین نیشنل کانگریس کی شاخیں موجود تھیں۔ 07-1905 کی سودیشی تحریک کے ذریعہ اس نے بڑے پیمانے پر متوسط طبقے کے درمیان اپنی اپیل کو وسعت دی۔ اس تحریک نے اعلیٰ قسم کے لیڈروں کو تیار کیا۔ ان میں مہاراشٹرا کے بال گنگا دھر تلک، بنگال کے بپن چندر پال اور پنجاب کے لالہ لاجپت رائے خاص تھے۔ یہ تینوں لال، بال، پال کے نام سے معروف تھے۔ ان تینوں کی یہ قربت ان کی جدوجہد کے کل ہند کردار کی ترسیل تھی۔ چونکہ ان کے سکونت پذیر صوبے ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر واقع تھے اس لیے ان لیڈروں نے جہاں نوآبادیاتی حکمرانی کی جنگجویانہ (تشدد پسندانہ) مخالفت کی وکالت کی وہیں ''اعتدال پسندوں'' کا ایک گروہ تھا جو زیادہ مؤثر اور بتدریج کوشش کے طریقہ کار کو ترجیح دیتا تھا۔ ان اعتدال پسندوں میں گاندھی جی کے معتبر سیاسی صلاح کار گوپال کرشن گوکھلے کے ساتھ محمد علی جناح بھی تھے جو گاندھی جی کی طرح گجرات نژاد کے لندن میں ایک تربیت یافتہ وکیل تھے۔

شکل 13.2
مہاتما گاندھی جوہانسبرگ جنوبی افریقہ میں، فروری 1908

گوکھلے کے مشورہ پر گاندھی جی نے ایک سال برطانوی ہندوستان کا دورہ کرنے میں گزارا تاکہ وہ یہاں کی زمین اور لوگوں کے بارے میں جان سکیں۔ فروری 1916 میں بنارس ہندو یونیوسٹی کی افتتاحی تقریب میں عوام کے سامنے آئے۔ اس موقع پر مدعو افراد میں شہزادے اور انسان دوست جنھوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی کے قیام میں عطیات کا تعاون دیا تھا موجود تھے۔ اس تقریب میں اینی بیسنٹ جیسے کانگریس کے اہم لیڈران بھی موجود تھے۔ ان اعلیٰ مرتبہ لوگوں کے مقابلے میں گاندھی جی نسبتاً غیر معروف شخص تھے۔ انھیں یہاں ہندوستان کے اندر ان کے مرتبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ جنوبی افریقہ میں ان کے کام کی بنیاد پر مدعو کیا گیا تھا۔

جب گاندھی جی کی تقریر کرنے کی باری آئی تو انھوں نے غریب مزدور طبقے کی طرف دلچسپی کے فقدان کے لیے ہندوستانی ممتاز طبقہ کو موردالزام ٹھہرایا۔ انھوں نے کہا کہ بنارس ہندو یونیورسٹی کا افتتاح (قیام) یقیناً بہت شاندار مظاہرہ ہے لیکن ''سجے سنورے اشرافیہ طبقہ'' کی موجودگی اور لاکھوں غریب ہندوستانیوں کی جو یہاں موجود نہیں ہیں کے درمیان فرق فکرمندی کا باعث ہے۔ انھوں نے مراعات یافتہ مدعو لوگوں سے کہا کہ ہندوستان کے لیے نجات اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ آپ خود کو ان زیورات و جواہرات سے آزاد نہ کرلیں اور ان کو ہندوستان میں اپنے ہم وطنوں کی فلاح کے لیے خیال کریں۔ وہ کہتے گئے کہ ہمارے لیے اپنی حکومت کے ذی شعور وجود کے تب تک کوئی معنی نہیں ہوسکتے جب تک ہم کسانوں سے ان کی محنت کے تقریبا پورے حاصل کا خود یا دیگر لوگوں کو لے لینے کی اجازت دیتے رہیں گے۔ ہماری نجات صرف کسانوں کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے۔ نہ تو وکیل نہ ہی ڈاکٹر اور نہ ہی مالدار زمین دار اُسے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

شکل 13.3
گاندھی جی کراچی میں، مارچ 1916

بنارس ہندو یونیورسٹی کا افتتاح (قیام) ایک جشن کا موقع تھا کیونکہ ہندوستانی دولت اور ہندوستانیوں کی پیش قدمی کے ذریعہ تقویت پذیر ایک قوم پرست یونیورسٹی کا قیام ایک علامت تھا لیکن گاندھی جی نے خود کو مبارک باد دینے کی آواز (سر) کے بجائے لوگوں کو ان کسانوں اور مزدوورں کی یاددہانی کرائیں جو ہندوستانی آبادی کی اکثریت کو تشکیل دینے کے باوجود حاضرین میں سے نمائندگی نہ کرسکتے تھے۔

ایک سطح پر فروری 1916 میں گاندھی جی کی تقریر فقط حقیقت کا رسمی اظہار تھا۔ بالفاظ دیگر ہندوستانی قوم پرستی ایک ممتاز طبقہ کا مظہر تھی جو وکیلوں، ڈاکٹروں اور زمین داروں کے ذہن کی اختراع تھا لیکن ایک دوسری سطح پر یہ عزم کا رسمی اظہار بھی تھا۔ گاندھی جی کا یہ پہلا عوامی اعلان ہندوستان قوم پرستی کو سارے ہندوستانی عوام کی زیادہ مناسب طور سے نمائندگی تخلیق کرنے کی خواہش کا اظہار بھی تھا۔ اسی سال کے آخری مہینے میں گاندھی جی کو ضابطوں کو عملی شکل میں پیش کرنے کا موقع ملا۔ دسمبر 1916 میں لکھنو میں منعقد سالانہ کانگریس میں چمپارن بہار سے آنے والے ایک کسان نے انھیں نیل کے انگریز کاشت کاروں کے ذریعہ کسانوں کے ساتھ کیے جانے والے ظالمانہ برتاؤ کے متعلق بتایا۔

بحث کیجیے

1915 سے قبل ہندوستان میں قومی تحریک کے متعلق مزید تحقیق کیجیے اور دیکھے کہ کیا مہاتما گاندھی کا تبصرہ انصاف پرمبنی ہے۔

2. عدم تعاون کی تحریک کا فائدہ اور نقصان (The Making and Unmaking of Non-cooperation)

1917 میں گاندھی جی کا زیادہ تر وقت چمپارن میں قبضہ املاک کی شرائط سے کسانوں کے تحفظ کے ساتھ اپنی پسند کی فصلوں کی کاشت کاری کی آزادی حاصل کرنے کی کوششوں میں گزرا۔ آئندہ سال 1918 میں گاندھی جی اپنی آبائی ریاست گجرات میں دو مہموں میں شریک رہے۔ پہلی انھوں نے احمد آباد میں مزدوروں کے ایک جھگڑے میں دخل اندازی کی اور کپڑے کی ملوں میں کام کرنے والے محنت کشوں کے لیے بہتر کام کے حالات کا جائزہ لیا اس کے بعد انھوں نے کھیڑا میں کسانوں کی فصل خراب ہونے پر ریاست سے کسانوں کے ٹیکس کو معاف کرنے کی درخواست کی۔

چمپارن، احمد آباد اور کھیڑا میں کی گئی پیش قدمیوں سے گاندھی جی ایک ایسے قوم پرست کی حیثیت سے ابھرے جن میں غریب لوگوں کے لیے گہری ہمدردی تھی۔ یہ تمام مقامی جدو جہد تھی جس کے بعد 1919 میں نوآبادیاتی حکمرانوں نے گاندھی جی کے سامنے میں ایک ایسا قضیہ ڈال دیا جس کے ذریعہ وہ اچھی خاصی تحریک تشکیل دے سکتے تھے۔ 18-1914 کی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے پریس پر احتساب (سنسر شپ) کا آغاز کر دیا اور بغیر کسی عدالتی کاروائی کے حراست میں رکھنے کی اجازت دے دی۔ سر سڈنی رولٹ کی قیادت میں بنی کمیٹی کی سفارش پر ان اقدامات کو جاری رکھا گیا۔ اس کے جواب میں گاندھی جی نے رولٹ ایکٹ کے خلاف ملک گیر مہم چلانے کے لیے کہا۔ شمالی اور مغربی ہند کے قصبوں میں چاروں طرف ''بند'' کی آواز کے جواب میں دکانوں اور اسکولوں کے بند ہونے سے زندگی ٹھہر سی گئی۔ پنجاب میں خاص طور پر شدید احتجاج

ہوئے جہاں کے بہت سے افراد نے انگریزوں کی طرف سے جنگ میں خدمات انجام دی تھیں اور اپنی خدمات کے عوض وہ انعام کی امید کر رہے تھے۔ اس کے بجائے انھیں رولٹ ایکٹ دیا گیا۔ گاندھی جی کو اس وقت حراست میں لے لیا گیا جب وہ پنجاب جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ اہم مقامی کانگریسیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ صوبہ کی حالت بتدریج کشیدہ ہوتی گئی اور اپریل 1919 میں امرتسر میں حالات ساز ہو گئے جب انگریز بریگیڈیر نے ایک قوم پرست جلسے پر فوجیوں کو گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ جلیاں والا باغ قتل عام کے نام سے معروف اس حادثہ میں چار سو بھی زیادہ افراد مارے گئے۔

یہ رولٹ ستیہ گرہ ہی تھا جس نے گاندھی جی کو حقیقت میں ایک قومی لیڈر بنایا۔ اس کامیابی سے حوصلہ پا کر گاندھی جی نے انگریز حکومت کے خلاف ''عدم تعاون'' کی مہم کے لیے ان سے مطالبہ کیا۔ جو ہندوستانی نوآبادیت کو ختم کرنے کے خواہشمند تھے ان سے کہا گیا کہ وہ اسکولوں، کالجوں اور عدالتوں میں نہ جائیں اور ٹیکس بھی ادا نہ کریں۔ مختصراً انھوں نے سبھی سے انگریز حکومت کے ساتھ تمام طرح کی وابستگی سے رضا کارانہ طور پر دستبردار ہونے کے لیے عمل پیرا ہونے کے لیے کہا اور یہ بھی بات زور دے کر کہی کہ اگر عدم تعاون پر مؤثر ڈھنگ سے عمل درآمد ہوا تو ہندوستان ایک سال کے اندر سوراج حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اپنی جدوجہد کو مزید وسعت دیتے ہوئے انھوں نے خلافت تحریک کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ حال ہی میں ترکی حکمراں کمال اتاترک کی کے ذریعہ ختم کی گئی یہ خلافت اتحاد اسلامی کا مظہر تھی جس کو یہ تحریک بحال کرانا چاہتی تھی۔

> **خلافت تحریک کیا تھی؟**
> **(What was the Khilafat Movement?)**
>
> خلافت تحریک (1920-1919) محمد علی اور شوکت علی کی قیادت میں چلائی گئی ہندوستانی مسلمانوں کی ایک تحریک تھی جس کے مندرجہ ذیل مطالبے تھے۔ سابقہ عثمانی سلطنت کے مسلم مقامات مقدسہ پر ترکی سلطان یا خلیفہ کا کنٹرول بنا رہنا چاہیے۔ جزیرہ العرب (عربیہ، سیریا، عراق، فلسطین) مسلم خودمختاری کے تحت حسب سابق رہیں اور خلیفہ کے پاس حسب ضرورت علاقے چھوڑے جائیں تا کہ وہ مذہب اسلام کا دفاع کرنے کے قابل ہو۔ کانگریس نے اس تحریک کی حمایت کی اور مہاتما گاندھی نے اس کو عدم تعاون تحریک کے ساتھ باہم جوڑنے کی کوشش کی۔

2.1 ایک عوامی تحریک کی تیاری

(Knitting a popular movement)

گاندھی جی کو امید تھی کہ عدم تعاون تحریک کو خلافت تحریک کے ساتھ ملانے سے ہندوستان کی دو بڑی مذہبی قومیں ہندو اور مسلمان مل کر نوآبادیاتی حکومت کو ختم کر سکتے ہیں۔ ان تحریکوں نے یقیناً ایک عوامی کارروائی کے جذبہ کو بندھن سے آزاد کر دیا جو نوآبادیاتی ہندوستان میں قطعی طور پر انوکھی بات تھی۔

طلبہ نے حکومت کے ذریعہ چلائے جانے والے اسکول اور کالجوں میں جانا موقوف کر دیا۔ وکیلوں نے عدالت میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ بہت سے شہروں اور قصبوں میں مزدور طبقہ ہڑتال پر چلا گیا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 1921 میں 396 ہڑتالیں ہوئیں جن میں 6,00,000 مزدور شامل ہوئے تھے اور 70 لاکھ کام کے دنوں کا نقصان ہوا۔ دیہی علاقوں میں بھی غیظ و غضب کے ساتھ بےاطمینانی موجود تھی۔ شمالی آندھرا پردیش کے پہاڑی قبائل نے جنگل قوانین

شکل 13.4

عدم تعاون تحریک جولائی 1922 غیر ملکی کپڑوں کو جمع کیا جارہا ہے تاکہ ان کو آگ میں جلایا جاسکے۔

کی خلاف ورزی کی۔ اودھ میں کسانوں نے محصول ادانہیں کیے۔ کمایوں کے کسانوں نے نوآبادیاتی افسران کا سامان ڈھونے سے انکار کردیا۔ یہ احتجاجی تحریکیں بسا اوقات مقامی قوم پرست قیادت کی سرتابی کرتے ہوئے عمل میں آئیں۔ کسانوں، مزدوروں اور دیگر نے اس کی اپنے طور پر ترجمانی کی اور نوآبادیاتی حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور تحکمانہ ہدایت کی پیروی کے بجائے اپنے مفاد کے طریقوں پر عمل کیا۔

گاندھی جی کے امریکی سوانح نگار لوئس فشر کے مطابق عدم تعاون، ہندوستان اور گاندھی جی کی زندگی میں ایک عہد ساز نام بن گیا۔ یہ امن کے نقطہ نظر سے منفی لیکن ذی اثر اعتبار سے مثبت تھا۔ اس کے لیے انحراف، نفس کشی اور ضبط نفس لازمی تھا۔ یہ اپنی حکومت کے لیے ایک تربیت تھی۔ 1857 کی بغاوت کے بعد پہلی مرتبہ عدم تعاون تحریک کے نتیجے میں انگریزی حکومت کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں۔ اس کے بعد فروری 1922 میں کسانوں کے ایک گروہ نے متحدہ صوبہ جات (موجودہ اترپردیش اور اترانچل) میں چوری چورا جیسے چھوٹے گاؤں میں ایک پولس اسٹیشن پر حملہ کرکے آگ لگادی۔ بہت سے کانسٹیبل اس آتشزدگی میں ہلاک ہوگئے۔ تشدد کی اس کارروائی کی وجہ سے گاندھی جی کو فوراً یہ تحریک منسوخ کرنی پڑی۔ انھوں نے زور دے کر کہا کہ ''کسی بھی طرح کی اشتعال انگیزی کو انسانوں کے ظالمانہ قتل کے لیے جولاچار حالت میں پہنچے ہوئے ہوں اور جو تقریباً خود بھیڑ کے رحم وکرم پر ہوں امکانی طور پر جائز نہیں کہا جاسکتا ہے۔

عدم تعاون تحریک کے دوران ہزاروں ہندوستانیوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ خود گاندھی جی کو حکومت کے خلاف اشتعال انگیزی کے الزام میں مارچ 1922 میں گرفتار کرلیا گیا۔ اس عدالتی کارروائی کی صدارت کرنے والے جج جسٹس سی۔ این بروم فیلڈ نے انھیں سزا سناتے ہوئے ایک غیرمعمولی تقریر کی۔ جج نے تبصرہ کیا کہ اس حقیقت کو نظرانداز کرنا ناممکن ہوگا کہ میں نے اب تک جن کی تفتیش کی ہے یا تفتیش کروں گا۔ آپ کسی بھی شخص سے مختلف زمرے کے ہیں۔ اس حقیقت کو نظرانداز کرنا ناممکن ہوگا کہ آپ اپنے لاکھوں ہم وطنوں کی نظر میں ایک عظیم محبّ وطن اور لیڈر

ہیں۔حتی کہ سیاست میں جولوگ آپ سے مختلف ہیں وہ بھی آپ کو اعلی نصب العین یہاں تک کہ آپ کو پاک ومقدس زندگی والے فرد کے طور پر دیکھتے ہیں۔ چونکہ گاندھی جی نے قانون کی خلاف ورزی کی تھی اس لیے عدالت کے لیے ان کو چھ سال کے لیے جیل کی سزا سنائی جانی ناگزیر تھی،لیکن جج بروم فیلڈ نے کہا''اگر ہندوستان میں واقع ہونے والے واقعات کے سبب حکومت کے لیے آپ کی سزا کے ان سالوں میں کمی کرنا اور رہا کرنا ممکن ہوا تو اس بات سے مجھ سے زیادہ کوئی اور شخص خوش نہ ہوگا۔

2.2 عوام کے لیڈر (A people's leader)

1922 تک گاندھی جی نے ہندوستانی قوم پرستی کی کایا پلٹ کر دی تھی۔اس لحاظ سے فروری 1916 میں بنارس ہندو یونیورسٹی میں اپنی تقریر میں کیے گئے وعدہ کو پورا کیا۔اب یہ تحریک دانشوروں اور پیشہ وروں کی تحریک نہیں تھی کیونکہ لاکھوں کی تعداد میں کسانوں،مزدوروں اور دست کاروں نے بھی اس میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ان میں سے بہت سے لوگوں نے گاندھی جی کو نہایت تعظیم وتکریم کی نظر سے دیکھتے ہوئے انھیں اپنا''مہاتما'' قرار دیا۔انھوں نے اس حقیقت کی قدر کی کہ وہ ان کی طرح ہی کپڑے پہنتے تھے،ان کی طرح رہتے تھے اور ان کی زبان بولتے تھے۔ دوسرے لیڈروں کی طرح وہ عام خلقت سے فاصلے پر کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ ان سے ہمدردی رکھتے تھے حتی کہ ان کے ساتھ اپنی شناخت قائم کرتے تھے۔

یہ شناخت ان کے کپڑوں میں نمایاں طور پر منعکس ہوتی تھی۔حالانکہ دیگر قوم پرست لیڈران رسمی طور پر مغربی طرز کے سوٹ یا ہندوستانی بند گلے کے کپڑے پہنتے تھے۔گاندھی جی لوگوں کے درمیان ایک عام دھوتی میں جاتے تھے۔اس دوران گاندھی جی ہر دن کا کچھ حصہ چرخہ چلا کر گزارتے تھے اور دیگر قوم پرستوں کو بھی ایسا کرنے کے لیے انھوں نے حوصلہ افزائی کی۔سوٹ کاتنے کے عمل نے گاندھی جی کو روایتی ذات پات کے نظام کے اندر رائج ذہنی محنت مشقت اور جسمانی محنت کی دیوار کو توڑنے کی اجازت دی۔

مؤرخ شاہد ہیں کہ پرکشش مطالعہ میں مقامی پریس میں پہنچائی گئی رپورٹوں اور افواہوں کے ذریعہ مشرقی اتر پردیش کے کسانوں کے درمیان مہاتما گاندھی کی شبیہہ کو تلاش کیا گیا ہے۔ فروری 1921 میں اس علاقے کی سیاحت کے دوران ہر جگہ مجمع نے عزت کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا۔

ماخذ1

چرخہ

مہاتما گاندھی جدید عہد کے شدید نقاد تھے جس میں مشینوں نے انسانوں کو غلام بنا کر محنت کو بے دخل کر دیا تھا۔ وہ چرخہ کو انسانی سماج کے ایک ایسے مظہر کے طور پر دیکھتے تھے جس میں مشینوں اور ٹیکنالوجی کی ستائش نہیں کی جائے گی۔ مزید برآں چرخہ غریب لوگوں کو اضافی آمدنی فراہم کر سکتا تھا اور انھیں خود کفیل بنا سکتا تھا۔

شکل13.5

میرا احتجاج مشینوں کے لیے خبط سے ہے۔ یہ خبط ان مشینوں کے لیے ہے جنھیں محنت بچانے والی مشین کہا جاتا ہے۔ لوگ اس وقت تک محنت بچاتے رہیں گے جب تک ہزاروں افراد بغیر کام کے اور بھوک سے مرنے کے لیے کھلی سڑک پر نہ پھینک دیے جائیں۔ میں بنی نوع انسانی کے کسی ایک حصہ کے لیے نہیں بلکہ سبھی کے لیے وقت اور محنت بچانا چاہتا ہوں میں دولت کی یکجا فراہمی، کچھ ہی لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ سبھی کے ہاتھوں میں کرنا چاہتا ہوں۔

ینگ انڈیا، 13 نومبر 1924

کھدر تمام مشینوں کو تباہ کرنا نہیں چاہتی بلکہ یہ اس کے استعمال کو منضبط کرتی ہے اور اس کی کمزور ترقی پر نظر رکھتی ہے۔ یہ مشینوں کا استعمال انتہائی غریب لوگوں کے لیے ان کی اپنی جھونپڑی میں کرتی ہے۔ پہیہ اپنے آپ میں ہی مشین کا ایک نفیس حصہ ہے۔

ینگ انڈیا 17 مارچ 1927

شکل13.5

مہاتما گاندھی چرخہ کے ساتھ ہندوستانی قوم پرستی کی دائمی مثال بن گئے۔

1921 میں جنوبی ہندوستان کے سفر کے دوران گاندھی جی نے اپنا سر منڈوا دیا اور غربا کے ساتھ اپنی شناخت قائم کرنے کے لیے دھوتی زیب تن کر لی۔ ان کی یہ نئی صورت زہد اور ترک کا مظہر بھی بن گئی اور یہ خصوصیات ایسی تھیں جن کو گاندھی جی جدید دنیا کے صارفین کے حامی تمدن کی مخالفت کے لیے عزت دیتے تھے۔

گاندھی کی تقریروں کے دوران کیسا ماحول ہوتا تھا اس کے متعلق گورکھپور کے ایک ہندی اخبار نے یہ رپورٹ لکھی:

بھٹنی میں گاندھی جی نے مقامی لوگوں سے خطاب کیا اور اس کے بعد ٹرین گورکھپور کے لیے روانہ ہوئی۔ نون کھار، دیوریا، گوری بازار، چوری چورا اور کوسمی اسٹیشنوں پر 15,000 سے 20,000 سے کم لوگ نہیں تھے .... مہاتما جی، کوسمی کے منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور اس حقیقت کے باوجود کہ یہ اسٹیشن جنگل کے وسط میں واقع تھا یہاں 10,000 سے کم لوگ نہ تھے کچھ لوگ ان کی محبت میں مغلوب روتے ہوئے دکھائی دیے۔ دیوریا پر لوگ گاندھی جی کو بھینٹ (عطیہ) دینا چاہتے تھے لیکن انھوں نے اسے ان سے گورکھپور میں دینے کے لیے کہا لیکن چوری چورا میں ایک مہذب مارواڑی انھیں کچھ پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ رک نہیں پایا۔ ایک چادر پھیلا دی گئی جس پر روپیوں اور سکّوں کی بارش شروع ہو گئی۔ یہ ایک منظر تھا......... گورکھپور اسٹیشن کے باہر گاندھی جی ایک اونچی گاڑی پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے چند منٹوں کے لیے ان کا دیدار کر لیا۔

© NCERT not to be republished

گاندھی جی جہاں کہیں گئے ان کی معجزاتی قوتوں کی افواہیں پھیل گئیں۔ بعض مقامات پر یہ کہا گیا کہ انھیں راجہ کے ذریعہ کسانوں کی شکایات کی تلافی کے لیے بھیجا گیا ہے اور وہ تمام مقامی افسران کے فیصلے رد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ چند دیگر مقامات پر یہ دعوی کیا گیا کہ گاندھی جی کو قوت وطاقت انگریز بادشاہ سے برتر ہے اور ان کے آنے کے ساتھ نوآبادیاتی حکمراں ضلع سے بھاگ جائیں گے۔ گاندھی جی کی مخالفت کرنے والوں کے لیے خوفناک نتائج کی خبر دیتی ہوئی کہانیاں بھی گشت میں تھیں۔ اس طرح کی افواہیں پھیلی تھیں کہ گاندھی جی کی تنقید کرنے والے لوگوں کے گھر پُراسرار طور پر ٹوٹ کر گر گئے یا ان کی فصلیں خراب ہو گئیں۔

گاندھی بابا گاندھی مہاراج یا صرف مہاتما جیسے مختلف ناموں سے معروف گاندھی جی ہندوستانی کسانوں کے لیے ایک نجات دہندہ کے طور پر سامنے آئے جو ان کو ٹیکس کی انتہا اور ظالم افسران سے آزاد کرانے والے نیز ان کی زندگی کا وقار اور شخصی آزادی بحال کرانے والے تھے۔ غریبوں اور کسانوں کے درمیان گاندھی جی کی اپیل کو ان کی درویشانہ طرز زندگی کے ذریعہ اور دھوتی نیز چرخہ جیسی علامات کے ذی فہم استعمال سے تقویت ملی۔ ذات کے اعتبار سے گاندھی ایک تاجر اور پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے لیکن ان کے سادہ طرز زندگی اور ہاتھوں سے کام کرنے کے تئیں ان کے پیار نے اس بات کی اجازت دی کہ وہ غریب مزدور طبقے کے ساتھ ہمدردی رکھیں اور بدلے میں وہ لوگ گاندھی جی سے ہمدردی رکھتے تھے۔ جہاں زیادہ تر سیاستداں ان سے کمتر سمجھ کر بات کرتے تھے وہیں گاندھی جی ان کو سمجھنے اور ان کی زندگی کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرنے کے لیے سامنے آئے۔

بلاشبہ گاندھی جی کی عوام سے اپیل سچی تھی اور ہندوستانی سیاست کے تناظر میں کسی نظیر کے تاکیداً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قوم پرستی کی اساس کو وسیع کرنے میں ان کی کامیابی کا راز احتیاط لہذا تنظیم کی بنیاد پر تھا۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں کانگریس کی شاخیں قائم کی گئیں۔ شاہی ریاستوں (princely states) میں قوم پرستی کے عقائد کو فروغ دینے کی غرض سے ''پرجا منڈل'' کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا۔ گاندھی جی نے قوم پرستی کے پیغام کی ترسیل حکمرانوں کی زبان انگریزی کے بجائے مادری زبان میں کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ چنانچہ کانگریس کی صوبائی کمیٹیاں برطانوی ہندوستان کی مصنوعی سرحدوں کے مقابلے لسانی علاقوں پر مبنی تھیں۔ ان مختلف طریقوں سے قوم پرستی ملک کے بعید ترین کناروں تک پہنچ گئی اور وہ مختلف سماجی گروہ بھی اس میں شامل ہو گئے جو ماضی میں اس سے دور تھے۔

ماخذ 2

ماخذ 2 معجزاتی اور ناقابل یقین
(The miraculous and the unbelievable)

متحدہ صوبہ جات کے مقامی اخبارات نے اس زمانے میں پھیلی ہوئی بہت سی افواہوں کو درج کیا۔ یہ افواہیں ایسی تھیں کہ جس کسی نے بھی مہاتما گاندھی کی قوت کار کو جانچنا چاہا اسے تعجب ہوا:

1۔ بستی کے ایک گاؤں کے سکندر ساہو نے 15 فروری کو کہا کہ وہ مہاتما جی میں تب یقین کرے گا جب اس کے کارخانہ (جہاں گڑ پیدا کیا جاتا تھا) گنے کے رس سے بھری کڑاہی (ابلتی ہوئی) دو حصوں میں ٹوٹ جائے۔ فوراً ہی کڑاہی درمیان سے دو حصوں میں ٹوٹ گئی۔

2۔ اعظم گڑھ کے ایک کسان نے کہا کہ وہ گاندھی جی کی صداقت میں تب یقین کرے گا جب اس کے کھیت میں بوئے گئے گیہوں سے تلوں کی کونپلیں نکل آئیں۔ اگلے دن اس کھیت کا سارا گیہوں تل بن گیا۔

بعض ایسی افواہیں تھیں کہ جس نے گاندھی جی کی مخالفت کی وہ ہمیشہ کسی نہ کسی قدرتی آفات کا شکار ہوا۔

1۔ گورکھپور شہر سے ایک شریف آدمی نے چرخہ چلانے کی ضرورت پر سوال اٹھایا تو اس کے گھر میں آگ لگ گئی۔

2۔ اپریل 1921 میں چند لوگ اتر پردیش کے ایک گاؤں میں جوا کھیل رہے تھے۔ کسی شخص نے انھیں جوا کھیلنے سے منع کیا۔ اس گروپ میں سے ایک نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور گاندھی جی کو گالی دی۔ دوسرے دن اس کی بکری کو چار کتوں نے کاٹ لیا۔

© NCERT not to be republished

اب تک کانگریس کے مددگار چند خوشحال تاجر اور صنعت کار تھے۔ ہندوستانی مہم جو حضرات نے یہ جلد ہی تسلیم کر لیا کہ ان کے انگریز حریف جس خاص رعایت کے ذریعہ لطف اندوز ہو رہے ہیں وہ آزاد ہندستان میں ان کے لیے ختم ہو جائیں گی۔ جی۔ ڈی۔ برلا جیسے حضرات نے قومی تحریک کی کھل کر حمایت کی جبکہ دیگر نے حکمت کے طور پر ایسا کیا۔ اس طرح گاندھی جی کے مداح غریب کسان اور مالدار صنعت کار دونوں تھے۔ گوکہ کسانوں کا گاندھی جی کے اتباع کے اسباب صنعت کاروں کے اسباب سے کسی قدر مختلف اور شاید ان کے برعکس بھی تھے۔

حالانکہ مہاتما گاندھی کا کردار حیات آفریں تھا لیکن ہم ''گاندھی وادی قوم پرستی'' کا ارتقا کہہ سکتے ہیں وہ کافی حد تک ان کے پیرو کاروں پر منحصر ہوتی تھی۔ 1917 اور 1922 کے درمیان ہندوستانیوں کے انتہائی باصلاحیت افراد کے گروہ نے خود کو گاندھی جی سے وابستہ کر لیا اس میں مہاویو ڈیسائی، ولبھ بھائی پٹیل، جے بی کرپلانی، سبھاش چندر بوس، ابوالکلام آزاد، جواہر لعل نہرو، سروجنی نائیڈو، گوند ولبھ پنت اور سی راج گوپالا چاریہ شامل تھے۔ گاندھی جی کے یہ قریبی ممتاز رفیق کار علاقوں سے آئے تھے اور یہ مختلف مذہبی روایات کے حامل بھی تھے۔ انھوں نے بے شمار ہندوستانیوں کو کانگریس میں شامل ہونے اور اس کے لیے کام کرنے کے لیے جوش پیدا کیا۔

فروری 1924 میں مہاتما گاندھی جیل سے رہا ہو گئے اور انھوں نے اپنی توجہ گھر میں بنے ہوئے کپڑے (کھادی) کو فروغ دینے اور چھوت چھات کو ختم کرنے کے قصد سے وقف کر دی۔ گاندھی جی جتنے بڑے سیاستداں تھے اتنے ہی بڑے سماجی مصلح بھی تھے۔ ان کا یقین تھا کہ آزادی کے قابل بننے کے لیے ہندوستانیوں کو بچپن کی شادی اور چھوت چھات جیسی سماجی برائیوں سے بجات حاصل کرنی ہوگی۔ ایک عقیدے کے ہندوستانیوں کو دوسرے عقیدے کے ہندوستانیوں کے لیے حقیقی برداشت و رواداری کو فروغ دینا ہوگا۔ اس لیے انھوں نے ہندو مسلم ہم آہنگی پر زور دیا۔ اس عرصہ میں معاشی محاذ پر ہندوستانیوں کو خود کفیل بننا سیکھنا ہوگا۔ شاید اسی لیے انھوں نے غیر ملک سے درآمد کپڑے پہننے کے بجائے کھادی پہننے کی اہمیت پر زور دیا۔

3. نمک ستیہ گرہ: ایک کیس اسٹڈی (THE SALT SATYAGRAHA: A CASE STUDY)

عدم تعاون تحریک ختم ہونے کے کئی سالوں بعد تک مہاتما گاندھی نے خود کو سماجی اصلاح کے کاموں تک مرکوز رکھا۔ تاہم 1928 میں انھوں نے دوبارہ سیاست میں داخل ہونے کے بارے سوچنا

3۔ گورکھپور کے ایک گاؤں کے کسانوں نے شراب پینا ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک شخص اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکا۔ جوں ہی وہ شراب کی دکان پر جانے کے لیے چلا ویسے ہی اس کے راستے میں اینٹ کے ٹکڑوں کی بارش شروع ہو گئی۔ جب اس نے گاندھی جی کا نام لینا شروع کیا یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

شاہد امین کی کتاب ''گاندھی ایز مہاتما'' سب لیٹرن اسٹڈیز III آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، دہلی

آپ نے باب 11 میں افواہوں کے متعلق پڑھا اور دیکھا کہ افواہوں کی گردش کا عمل ایک عہد کے عقائد کے ڈھانچہ کے متعلق ہمیں کیا بتاتا ہے: یہ ہمیں بتاتا ہے کہ ان لوگوں کی ذہنیت کے متعلق جو ان افواہوں میں یقین کرتے ہیں اور اس صورت حال کے بارے میں جو ان عقائد کو ممکن بتاتی ہے۔ آپ کے خیال میں گاندھی جی کے متعلق ان افواہوں سے کیا ترجمانی ہوتی ہے؟

بحث کیجیے

عدم تعاون کیا تھا؟ ان طریقوں کے تنوع کے متعلق معلوم کیجیے جن میں مختلف سماجی گروہوں نے تحریک میں حصہ لیا تھا۔

© NCERT not to be republished

شروع کیا۔اس سال سبھی سفید ممبران (انگریز) سائمن کمیشن کے خلاف کل ہند مہم چلائی جارہی تھی جو نوآبادیات کے حالات کی چھان بین کرنے کے لیے انگلینڈ سے بھیجے گئے تھے۔گاندھی جی نے خود اس تحریک میں حصہ نہیں لیا پھر بھی انھوں نے اپنی دعائیں دی تھیں اور اسی سال باردولی میں ہونے والے کسان ستیہ گرہ کے ساتھ بھی انھوں نے ایسا ہی کیا تھا۔

1929 میں دسمبر کے آخر میں کانگریس نے اپنا سالانہ اجلاس لاہور شہر میں منعقد کیا۔یہ اجلاس دو باتوں کے لحاظ سے اہم تھا: جواہر لعل نہرو کا بحیثیت کانگریس صدر انتخاب جو نوجوان نسل کو قیادت کی چھڑی حوالے کرنے کی علامت تھا اور مکمل آزادی حاصل کرنے کے عہد کا اعلان، اب سیاست کی رفتار ایک بار پھر تیز ہوگئی۔26 جنوری 1930 کو مختلف مقامات پر قومی پرچم لہرانے کے ساتھ حب الوطنی کے نغمے گا کر اسے ''یوم آزادی'' کے طور پر منایا گیا۔گاندھی جی نے خود اختصار کے ساتھ ہدایات دے کر بتایا کہ اس دن کو کیسے منایا جانا چاہیے۔انھوں نے کہا کہ یہ اچھا ہوگا کہ اگر یہ (آزادی کا) اعلان سبھی گاؤں، سبھی شہروں حتیٰ کہ...... یہ اچھا ہوگا کہ اگر تمام مقامات پر یکساں وقت پر تمام جلسے منعقد ہوں۔

گاندھی جی نے مشورہ دیا کہ نقارہ پیٹنے کے ذریعہ روایتی طریقے سے جلسے کے وقت کی اطلاع دی جائے۔قومی پرچم لہرانے کے ساتھ جشن کا آغاز ہوگا۔دن کا بقیہ حصہ کسی قدر تعمیری کاموں خواہ یہ سوت کی کتائی ہو یا اچھوتوں کی خدمت یا ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کی تجدید حتیٰ کہ یہ سبھی کام ایک ساتھ انجام دیے جائیں جو ناممکن نہیں ہیں: اس میں حصہ لینے والے لوگ پرزور تائید کے ساتھ عہد لیں گے کہ'' دیگر لوگوں کی طرح ہندوستانیوں کو بھی آزادی اور اپنی شدید محنت کے نتیجہ سے لطف اندوز ہونے کا ناقابل منتقلی حق ہے اور یہ کہ اگر کوئی بھی حکومت لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھتی ہے اور ان کو زبردستی مطیع رکھتی ہے تو لوگوں کے پاس اسے بدلنے اور ختم کرنا کا ایک مزید حق بھی ہے۔

3.1 ڈانڈی (Dandi)

اس ''یوم آزادی'' کو منائے جانے کے فوراً بعد ہی مہاتما گاندھی نے اعلان کیا کہ برطانوی ہندوستان بڑی حد تک نہایت ناپسندیدہ قوانین میں سے ایک جس نے نمک کی تیاری اور فروخت پر ریاست کو اجارہ داری دے دی تھی، کو توڑنے کے لیے ایک مارچ (احتجاجی جلوس) کی قیادت کریں گے۔نمک کی اجارہ داری کے جس مسئلہ کا انتخاب کیا گیا تھا وہ گاندھی جی کی تدبیری دانائی کی ایک اہم مثال تھی۔ہر ایک ہندوستانی گھرانے کے لیے نمک کا استعمال لازمی تھا، تاہم لوگوں

© NCERT not to be republished

کو گھریلو استعمال کے لیے نمک بنانے سے بھی روکا گیا۔ ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اونچے داموں میں دکانوں سے نمک خریدیں۔ نمک پر ریاست کی اجارہ داری کافی غیر مقبول تھی۔ اس کو نشانہ بناتے ہوئے گاندھی جی انگریز حکومت کے خلاف وسیع بے اطمینانی کو منظم کرنے کے لیے پر امید تھے۔

شکل 13.6
ڈانڈی مارچ (احتجاجی جلوس) مارچ 1930

جہاں زیادہ تر ہندوستانیوں کو گاندھی جی کے چیلنج کی اہمیت سمجھ میں آگئی وہیں بادی النظر میں انگریز راج کی سمجھ میں نہیں آیا۔ حالانکہ گاندھی جی نے اپنے نمک مارچ کی پیشگی اطلاع وائسرائے لارڈ اروِن کو دے دی تھی لیکن اروِن ان کی اس کاروائی کی اہمیت کے مفہوم کو سمجھنے میں ناکام رہا۔ 12 مارچ 1930 کو گاندھی جی نے سابرمتی میں واقع اپنے آشرم سے سمندر کی طرف چلنا شروع کیا۔ تین ہفتے بعد وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہاں انھوں نے مٹھی بھر نمک بنا کر خود کو قانون کی نظر میں مجرم بنا دیا۔ اس عرصے میں ملک کے دیگر حصوں میں متوازی نمک مارچ منعقد کیے گئے۔

شکل 13.7
6 اپریل 1930 کو ڈانڈی مارچ کے اختتام پر ستیہ گرہ کرنے والے ھی قدرتی نمک اٹھاتے ہوئے

ماخذ 3

(Why the Salt Satyagraha?) نمک ستیہ گرہ کیوں؟

نمک احتجاج کی علامت کیوں تھا؟ اس کے متعلق مہاتما گاندھی کیا لکھتے ہیں:

روزانہ حاصل ہونے والی اطلاعات کے مجموعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح ستم ایجاد نمک ٹیکس کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ ٹیکس ادا کیے بغیر نمک، جو ٹیکس کبھی کبھی نمک کی اصل قیمت سے چودہ گنا زیادہ تک ہوتا ہے اس کے استعمال کو روکنے کے لیے حکومت اس نمک کو جس کو وہ منافع سے فروخت نہیں کر پائی ہے تباہ کر دیتی ہے۔ اس طرح یہ حکومت ملک کی انتہائی اہم ضرورت پر ٹیکس لگاتی ہے۔ یہ عوام کو اس کے تیار کرنے سے روکتی ہے اور قدرت کے ذریعہ بغیر کسی کوشش کے تیار کیے گئے نمک کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس ستم ایجاد غاصب پالیسی کو کسی پائیدار صفت کے لیے مخصوص نہیں کیا جا سکتا ہے مختلف ذرائع سے میں ہندوستان کے سبھی حصوں میں اس قومی ملکیت کی غارت گری کی کہانیاں سن رہا ہوں۔ بتایا جاتا ہے کہ ٹنوں نمک کونکن کے ساحل پر تباہ کر دیا گیا۔ اس طرح کی کہانیاں ڈانڈی سے بھی آرہی ہیں۔ جہاں کہیں بھی اس طرح کے علاقے کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگوں کے ذریعہ اپنے ذاتی استعمال کے لیے قدرتی نمک اٹھالے جانے کا امکان ہے وہاں نمک افسران کے تقرر کا واحد مقصد نمک کو تباہ کرنے کو عمل میں لانا ہوتا ہے۔ اس طرح بیش قیمتی ملکیت کو قومی خرچ سے ہی تباہ کیا جاتا ہے اور لوگوں کے منہ سے نمک چھین لیا جاتا ہے۔

اس طرح نمک کی اجارہ واری ایک چوطرفہ طرز عمل ہے۔ یہ لوگوں کو بیش قیمتی سہل دیہی صنعت سے محروم کرتا ہے۔ قدرت کے ذریعہ بہتات میں پیدا ملکیت کی خواہ مخواہ کی غارت گری کا عمل ہے۔ نمک کی اس غارت گری کا بذات خود مطلب مزید قومی اخراجات ہے اور چوتھا اس بے وقوفی کا جزو لازم، بھوکے لوگوں سے 1,000 فی صد سے بھی زیادہ وصولیابی۔

عام لوگوں کی بے تعلقی کی وجہ سے ہی یہ ٹیکس برقرار رہا۔ عوام کافی حد تک خواب غفلت سے بیدار ہو چکے تھے، اس ٹیکس کو اب ختم کرنا ہوگا، کتنی جلدی یہ ختم ہوگا یہ لوگوں کی طاقت پر منحصر کرتا ہے۔

دی کلیکٹیڈ ورکس آف مہاتما گاندھی (سی ڈبلیو ایم جی) جلد 49

> نوآبادیاتی حکومت کے ذریعہ کو کیوں تباہ کیا گیا، مہاتما گاندھی نمک ٹیکس کو دیگر ٹیکسوں کے مقابلے زیادہ ظالمانہ کیوں سمجھتے تھے؟

ماخذ 4

(Tomorrow we shall break the salt tax law) کل ہم نمک ٹیکس قانون توڑیں گے

5 اپریل 1930 کے دن مہاتما گاندھی نے ڈانڈی میں کہا تھا:

جب میں نے سابرمتی کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈانڈی کے سمندری ساحل کے چھوٹے سے گاؤں کے لیے چھوڑا تھا تو میرے ذہن میں یہ یقین نہیں تھا کہ ہم کو اس مقام تک پہنچنے دیا جائے گا۔ اس وقت جب میں سابرمتی میں تھا تب یہ افواہ تھی کہ مجھے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ میں نے سوچا کہ حکومت شاید میرے ساتھیوں کو ڈانڈی تک آنے دے گی لیکن مجھے یقیناً نہیں آنے دے گی۔ اگر کوئی شخص میرے اوپر دانستہ ناقص عقیدہ کے الزام کا اظہار کرتا ہے تو میں اس الزام سے انکار نہیں کروں گا۔ میرے یہاں تک پہنچنے میں امن اور عدم تشدد کی طاقت کی معمولی تدبیر حق بجانب نہ ہوگی۔ اس طاقت کو آفاقی طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔ کاش حکومت، اگر یہ چاہے تو وہ اس کام کی انجام دہی کے لیے خود کو مبارکباد دے سکتی ہے کیونکہ وہ ہم میں سے ہر ایک کو گرفتار کر سکتی تھی۔ جب حکومت یہ کہتی ہے کہ ان کے پاس امن کی اس فوج کو گرفتار کرنے کی ہمت نہیں تھی تو ہم اس بات کی تعریف کرتے ہیں۔ اس طرح کی فوج کو

گرفتار کرنے میں حکومت شرم محسوس کرتی ہے۔ جو شخص کوئی ایسا کام کرنے میں شرمندگی محسوس کرتا ہے جس سے اس کا پڑوسی ناخوش ہو تو وہ شخص مہذب ہے۔ حکومت ہم لوگوں کو گرفتار نہ کرنے کے لیے مبارکباد کی مستحق ہے۔ بالفرض اس نے یہ کام عالمی رائے کے خوف سے صرف بچنے کے لیے ہی کیا ہو۔
کل ہم نمک ٹیکس قانون توڑیں گے خواہ حکومت اس کو برداشت کرتی ہے یا نہیں۔ یہ سوال الگ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حکومت یہ برداشت نہ کرے لیکن اس جماعت کے لیے جو صبر و استقلال اور ضبط وتحمل کا اس نے مظاہرہ کیا ہے وہ اس کے لیے مبارک باد کی مستحق ہے......
اگر مجھے گجرات مع باقی ملک کے سارے ممتاز لیڈروں کو گرفتار کرلیا جاتا ہے تو کیا ہوگا، یہ تحریک اس یقین پر مبنی ہے کہ جب ایک ملک خواب غفلت سے بیدار ہوجاتا ہے اور آگے بڑھنے لگتا ہے تو اسے لیڈر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سی ڈبلیو ایم جی، جلد 49

گاندھی جی نوآبادیاتی حکومت کو کس طرح دیکھتے تھے یہ تقریر اس کے متعلق کیا بتاتی ہے؟

عدم تعاون تحریک جیسی سرکاری منظور شدہ قوم پرست مہم کے علاوہ بھی احتجاج کے لاتعداد دیگر دھارے تھے۔ ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کے وسیع حصوں میں کسانوں نے سخت ناپسندیدہ نوآبادیاتی جنگل قوانین کو توڑا جس کے سبب وہ خود اور ان کے مویشی ان جنگلوں میں نہیں جاسکتے تھے جن میں وہ ایک زمانے میں آزادانہ گھومتے تھے۔ بعض قصبوں میں فیکٹری مزدور ہڑتال پر چلے گئے، اس دوران وکیلوں نے بھی برطانوی عدالتوں کا بائیکاٹ کیا اور طلبہ نے حکومت کے ذریعہ چلائے جانے والے تعلیمی اداروں میں پڑھنے سے انکار کردیا۔ 22-1920 کی طرح ہی اس بار بھی گاندھی جی نے ہندوستانیوں کے تمام طبقات کو نوآبادیاتی حکومت کے سبب پیدا ہونے والی اپنی بے اطمینانی ظاہر کرنے کے لیے کہا جس کے جواب میں حکمرانوں نے اختلاف کرنے والوں کو نظر بند کردیا۔ نمک مارچ میں سرگرم تقریباً 60,000 ہندوستانیوں کو گرفتار کیا گیا۔ جن میں بے شک گاندھی جی بذات خود بھی شامل تھے۔

ساحل سمندر کی طرف گاندھی جی کے مارچ کی تکمیل کو ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے متعین پولس افسران کے ذریعہ پیش کردہ خفیہ رپورٹوں سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ ان رپورٹوں میں راستے میں واقع گاؤں میں گاندھی جی کے ذریعہ کی گئیں تقاریر کی نقل بھی ملتی ہے۔ جن میں انھوں نے مقامی افسران سے درخواست کی تھی کہ وہ سرکاری ملازمت ترک کر کے جدوجہد آزادی میں شامل ہوجائیں۔ ایک واسنا نامی گاؤں میں گاندھی جی نے اعلی ذات کے لوگوں سے کہا تھا کہ ''اگر آپ سوراج کے لیے آواز اٹھاتے ہیں تو آپ کو اچھوتوں کی خدمت کرنی ہوگی فقط نمک ٹیکس یا دیگر ٹیکسوں کے منسوخ ہونے سے آپ کو سوراج حاصل نہیں ہوسکتا۔ سوراج کے لیے آپ کو ان

غلطیوں کی اصلاح کرنی ہوگی جو آپ نے اچھوتوں کے ساتھ کی ہیں۔ سوراج کے لیے ہندوؤں مسلمانوں، پارسیوں اور سکھوں کو متحد ہونا ہوگا۔ یہ سوراج کی طرف جانے والی سیڑھیاں ہیں۔''

پولس کے جاسوسوں نے اپنی رپورٹوں میں لکھا کہ گاندھی جی کی میٹنگوں میں تمام ذاتوں کے گاؤں کے لوگ اور مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی بجا طور پر حاضر ہوتی ہیں۔ انھوں نے مشاہدہ کیا کہ ہزاروں رضا کار وقوم پرستی کے مقصد کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے سرکاری افسران تھے جنھوں نے نوآبادیاتی حکومت میں اپنے عہدوں سے استعفی دے دیا تھا۔ حکومت کو لکھی گئی رپورٹ میں ضلع پولس سپرنٹنڈنٹ نے تبصرہ کیا کہ محترم گاندھی پرسکون اور مطمئن دکھائی دیے۔ وہ جوں جوں آگے بڑھ رہے ہیں مزید قوت پا رہے ہیں۔

نمک مارچ کی تکمیل کو دیگر ماخذوں سے بھی تلاش کیا جا سکتا ہے جیسے امریکی اخباری جریدہ ''ٹائم'' اس کی تحریریں گاندھی جی کی وضع قطع کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کے ساتھ شروع ہوتی تھیں اور ان کے ''کمزور قالب'' اور ''مکڑی جیسے صلب'' کو حقیر گردانا گیا۔ چنانچہ اس مارچ کے متعلق اپنی پہلی رپورٹ میں ٹائم نے نمک مارچ کے اپنی منزل مقصود تک پہنچنے پر شک وشبہ کا اظہار کیا۔ اس نے دعوی کیا کہ پیدل چلنے کے دوسرے دن کے خاتمہ پر گاندھی جی زمین پر گر گئے۔ میگزین کو یقین نہیں تھا کہ ''لاغر و کمزور برگزیدہ شخص جسمانی طور پر مزید آگے جانے کے قابل رہے گا۔ لیکن ایک ہفتے کے اندر ہی اس کی فکر تبدیل ہوگئی۔ ٹائم نے لکھا کہ اس مارچ کو ملنے والی زبردست عوامی پیروی نے لوگوں کو جمع کر دیا جس سے انگریز حکمراں شدید مضطرب ہوگئے ہیں۔ اب وہ خود بھی گاندھی جی کو ایک برگزیدہ اور ''مدبر ماہر سیاست'' کے طور پر سلام کرنے لگے جو عیسائیوں کے خلاف عیسائی اقدامات کا ہی ہتھیار استعمال کر رہا تھا۔

شکل 13.8

جنوری 1931 میں مہاتما گاندھی کے جیل سے رہا ہونے کے بعد مستقبل کے لائحہ عمل کا منصوبہ تیار کرنے کے لیے الہ آباد میں کانگریس لیڈران کی نشست

اس تصویر میں آپ (دائیں سے بائیں) جواہر لعل نہرو، جمنالال بجاج، سبھاش چندر بوش، گاندھی جی، مہادیو ڈیسائی اور (سامنے کی طرف سردار ولبھ بھائی پٹیل کو دیکھ سکتے ہیں۔

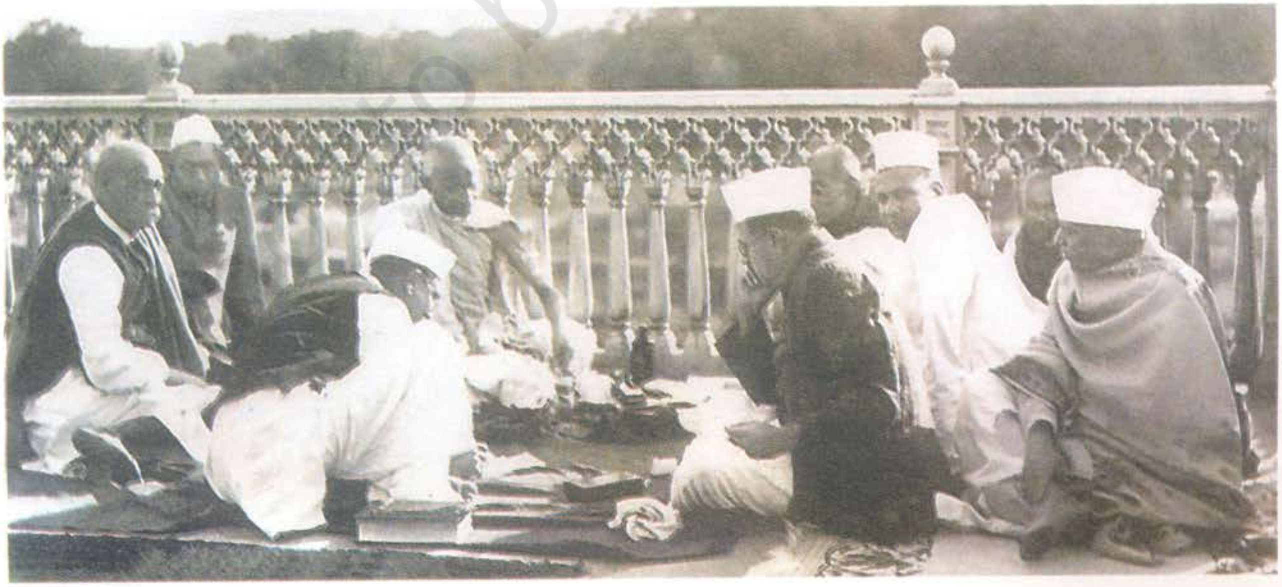

3.2 مکالمہ (Dialogues)

نمک مارچ کم از کم تین اسباب کی وجہ سے منفرد تھا۔ اول یہ وہ واقعہ تھا جس کی وجہ سے دنیا کی توجہ گاندھی جی کی طرف مبذول ہوئی۔ یوروپی اور امریکی پریس کے ذریعہ اس مارچ کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی گئی۔ دوم یہ پہلی قوم پرست سرگرمی تھی جس میں خواتین نے بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ سرگرم اشتراکی کارکن کملا دیوی چٹوپادھیائے نے گاندھی جی کو قائل کیا وہ اپنے احتجاج کو صرف مردوں تک ہی محدود نہ رکھیں۔ کملا دیوی خود ان لاتعداد عورتوں میں سے ایک تھیں جنھوں نے نمک یا شراب قوانین کو توڑتے ہوئے گرفتاری دی تھی۔ تیسرا اور شاید سب سے اہم سبب یہ تھا کہ نمک مارچ کی وجہ سے ہی انگریزوں کو اچھی طرح سمجھ میں آیا کہ ان کا راج ہمیشہ نہیں رہے گا اور ہندوستانیوں کو بھی اقتدار میں کچھ تفویض کرنا پڑے گا۔

اسی مقصد کے لیے برطانوی حکومت نے لندن میں ''گول میز کانفرنس'' کا ایک سلسلہ منعقد کیا۔ نومبر 1930 میں پہلی میٹنگ ہندوستان میں سابق ممتاز سیاسی لیڈر کے بغیر میٹنگ منعقد ہوئی چنانچہ کارگزاری کی یہ مشق بیکار ثابت ہوئی۔ جنوری 1931 میں گاندھی جی جیل سے رہا ہوئے اور اگلے مہینے وائسرائے کے ساتھ ان کی کئی طویل میٹنگیں ہوئیں۔ ان میٹنگوں کا انجام ''گاندھی ارون سمجھوتہ'' کی شکل میں سامنے آیا جس کی شرائط میں سول نافرمانی تحریک واپس لینا تھا، سارے قیدیوں کی رہائی اور ساحلی علاقوں میں نمک تیار کرنے کی اجازت دینا تھا۔ انتہاپسند (Radical) قوم پرستوں کے ذریعہ اس سمجھوتے پر تنقید کی گئی، کیونکہ گاندھی جی وائسرائے سے ہندوستانیوں کے لیے سیاسی آزادی کا عہد لینے میں ناکام رہے تھے۔ انھیں ممکنہ مقصد کے حصول کے لیے فقط گفتگو کی یقین دہانی مل سکی تھی۔

دوسری گول میز کانفرنس 1931 کے آخری حصہ میں لندن میں منعقد ہوئی۔ یہاں گاندھی جی کانگریس کی نمائندگی کر رہے تھے تاہم انھوں نے دعوی کیا کہ ان کی پارٹی پورے ہندوستان کی نمائندگی کرتی ہے، جس کو تین پارٹیوں کی طرف سے چیلنج دیا گیا۔ اوّل مسلم لیگ کی طرف سے، جس نے دعوی کیا کہ وہ مسلم اقلیت کے مفادات کے لیے موقف اختیار کرتی ہے۔ دوم چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کی طرف سے جو دعویٰ کرتے تھے کہ کانگریس ان کی ریاستوں پر کوئی حق نہیں رکھتی، اور سوم غیر معمولی طور پر ذہین وکیل اور مفکر بی۔ آر۔ امبیڈکر کی طرف سے جن کی دلیل تھی کہ گاندھی جی اور کانگریس نچلی ذاتوں کی حقیقتاً نمائندگی نہیں کرتے۔

لندن میں ہونے والی یہ کانفرنس بے نتیجہ ثابت ہوئی اس لیے گاندھی جی ہندوستان واپس آگئے اور سول نافرمانی پھر سے شروع کردی۔ نئے وائسرائے لارڈ ولنگڈن، ہندوستانی لیڈر

ماخذ 5

جداگانہ انتخابی حلقوں کے تعلق سے مسائل (The problem with separate electorates)

گول میز کانفرنس کے موقع پر مہاتما گاندھی نے دبے کچلے طبقات کے لیے جداگانہ انتخابی حلقوں کے متعلق اپنی دلیل پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

''اچھوتوں'' کے لیے جداگانہ انتخابی حلقوں کو یقینی بنائے جانے سے غلامی مستقل صورت اختیار کرلے گی ...... کیا آپ چاہتے ہیں کہ ''اچھوت'' بنے رہیں؟ خوب، جداگانہ انتخابی حلقوں سے بدنامی کا داغ مستقل طور پر بنا رہے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ''چھوت چھات'' کو ختم کیا جائے اور جب آپ یہ کرلیں تو ایک گستاخ ''اعلی'' طبقہ کے ذریعہ ایک ''کمتر'' طبقہ پر نافذ کیے گئے یہ مفسدانہ نشانات تباہ ہوجائیں گے جب آپ ایسا کریں گے تو پھر آپ کس کو جداگانہ انتخابی حلقے دیں گے؟

شکل 13.9
دوسری گول میز کانفرنس، لندن، نومبر 1931

مہاتما گاندھی نے ''نچلی ذاتوں'' کے لیے جداگانہ انتخابی حلقوں کے مطالبے کی مخالفت کی۔ ان کا ماننا تھا کہ ایسا کرنے سے سماج کی رائج الوقت روش میں ان کے انضمام کا عمل رک جائے گا اور ہندوؤں کی دیگر ذاتوں سے مستقل طور پر نسلی علاحدگی ہو جائے گی۔

ماخذ 6

جداگانہ انتخابی حلقوں کی بابت امبیڈکر کے خیالات (Ambedkar on separate electorates)

دبے کچلے طبقات کے لیے جداگانہ انتخابی حلقوں کے لیے مطالبہ کرنے پر گاندھی جی کی مخالفت کے جواب میں امبیڈکر نے لکھا تھا:

یہاں ایک ایسا طبقہ ہے جو بے شک اس حالت میں نہیں ہے کہ وہ بذات خود بقا کے لیے جدوجہد جاری رکھ سکے۔ جس مذہب سے یہ لوگ بندھے ہوئے ہیں وہ انھیں باعزت مقام مہیا کرانے کے بجائے ان پر کوڑھیوں کا ٹھپہ لگاتا ہے اور انھیں عمومی روابط کے لیے موزوں نہیں سمجھتا۔ معاشی طور پر یہ ایسا طبقہ ہے جو روزی روٹی کے لیے پوری طرح اعلیٰ ذات کے ہندوؤں پر انحصار کرتا ہے اور جس کے پاس اپنے ذریعہ معاش کے لیے کوئی آزاد راستہ کھلا ہوا نہیں ہے ہندوؤں کے سماجی تعصّبات کی وجہ سے ان کے سارے راستے بند ہیں بلکہ ہمارے ہندو سماج نے واضح کوشش کے ذریعہ از اول تا آخر سارے ممکنہ دروازے بند کر دیے جس نے دبے کچلے طبقات کو زندگی کے پیمانے پر اوپر اٹھنے کے لیے کوئی موقع مہیا نہیں کرایا۔

ان حالات میں تمام منصف مزاج لوگ اس بات کو قبول کریں گے کہ ایسے اپاہج طبقے کے لیے منظم استبداد کے خلاف زندگی کی جدوجہد میں کامیابی کیے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اسے سیاسی اقتدار میں کچھ حصہ ملے تاکہ یہ خود اپنا تحفظ کر سکیں...... یہ سب سے مقدم ضرورت ہے......

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر ''وہاٹ کانگریس اینڈ گاندھی ہیوڈن ٹو دی ان ٹچیبلس''، رائٹنگز اینڈ اسپیچز جلد 9، صفحہ 312 سے ماخوذ

(گاندھی جی) کے لیے انتہائی غیر ہمدرد تھا۔ اپنی بہن کو لکھے ایک ذاتی خط میں ولنگڈن نے لکھا تھا ''یہ ایک خوبصورت دینا ہے اگرچہ یہ گاندھی جی کے لیے نہیں ہے ...... جیسے کہ وہ ہمیشہ کہتا ہے کہ اس کا ہر قدم دراصل خدا سے تحریک یافتہ ہے لیکن دراصل یہ ایک منصوبہ بند سیاسی چال ہوتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ امریکی پریس اسے کمال کا آدمی کہتی ہے...... لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نہایت غیر عملی، متصوفانہ اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے درمیان رہ رہے ہیں جو گاندھی کو کسی حد تک ایک برگزیدہ شخص کے طور پر دیکھتے ہیں......''

تاہم 1935 میں نئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں سے کسی حد تک نمائندگی پر مبنی حکومت کا وعدہ کیا گیا۔ دو سال بعد محدود حق رائے دہی کی بنیاد پر منعقدہ الیکشن میں کانگریس کو فتح حاصل ہوئی۔ اب 11 میں سے 8 صوبوں میں کانگریس کے ''وزیر اعظم' اقتدار میں آئے جو برٹش گورنر کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔

ستمبر 1939 میں کانگریس وزارت کے عہدے سنبھالنے کے دو سال بعد، دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ مہاتما گاندھی اور جواہر لعل نہرو دونوں ہی ہٹلر اور نازیوں کے زبردست ناقد تھے۔ نتیجے میں انھوں نے وعدہ کیا کہ انگریز یہ وعدہ کریں کہ اگر ایک مرتبہ جنگ کے اختتام پذیر ہونے کے بعد ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی تو بدلے میں کانگریس انگریزوں کی جنگ کے لیے کوششوں کی حمایت کرے گی۔ انگریز حکومت نے ان کی یہ پیش کش مسترد کر دی۔ اس کے

شکل 13.10
مہاتما گاندھی اور راجندر پرساد وائسرائے لارڈ لنلتھ گو (Lidnlithgow) کے ساتھ میٹنگ کے لیے جاتے ہوئے 13 اکتوبر 1939
میٹنگ میں، جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کی نوعیت پر بحث ہوئی۔ جب وائسرائے کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوا تو کانگریس وزارت نے استعفیٰ دے دیا۔

احتجاج میں کانگریس وزارت نے اکتوبر 1939 میں استعفیٰ دے دیا۔ 1940 اور 1941 کے دوران کانگریس نے انفرادی ستیہ گرہ کا ایک سلسلہ منظّم کیا تاکہ حکمرانوں پر اس بات کا دباؤ ڈالا جائے کہ وہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی آزادی کا وعدہ کریں۔

دریں اثنا مارچ 1940 میں مسلم لیگ نے ''پاکستان'' کے نام سے ایک علاحدہ ملک بنانے کے لیے خود کو پابند کرتے ہوئے ایک قرارداد پاس کی۔ سیاسی منظرنامہ اب پیچیدہ ہوگیا تھا۔ اب یہ جدوجہد ہندوستانی بنام انگریز نہیں رہ گئی تھی بلکہ کانگریس، مسلم لیگ اور برطانوی حکومت کے درمیان تین طرفہ جدوجہد تھی۔ اس زمانے میں برطانیہ میں مخلوط پارٹی حکومت تھی جس میں شامل لیبر پارٹی کے ممبران ہندوستانیوں کی خواہشات کے تئیں ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے، لیکن اس حکومت کے وزیراعظم کنزرویٹیو پارٹی کے ونسٹن چرچل ایک کٹّر سامراجی شخص تھے جن کا اس بات پر اصرار تھا کہ ان کا تقرر بادشاہ کے اعلیٰ وزیر کی حیثیت سے اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ برطانوی سلطنت کے خاتمہ کے لیے بااختیار ہیں۔ 1942 کے موسم بہار میں مہاتما گاندھی اور کانگریس کے ساتھ سمجھوتہ کے لیے راغب کرنے کی کوشش میں اپنے ایک وزیر سر اسٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجا۔ تاہم کانگریس نے اس بات پر اصرار کیا کہ اگر اتحادی طاقتوں سے ہندوستان کی حفاظت کے لیے برطانوی حکومت کانگریس کی مدد چاہتی تو وائسرائے کو سب سے پہلے اپنی مجلس عاملہ (Executive Council) میں کسی ایک ہندوستانی کا دفاع ممبر کی حیثیت سے تقرر کرنا ہوگا۔ اس مسئلہ پر گفتگو کا سلسلہ منقطع کیا گیا۔

تصویر 13.11
مہاتما گاندھی، اسیٹفورڈ کریس کے ساتھ، مارچ 1942

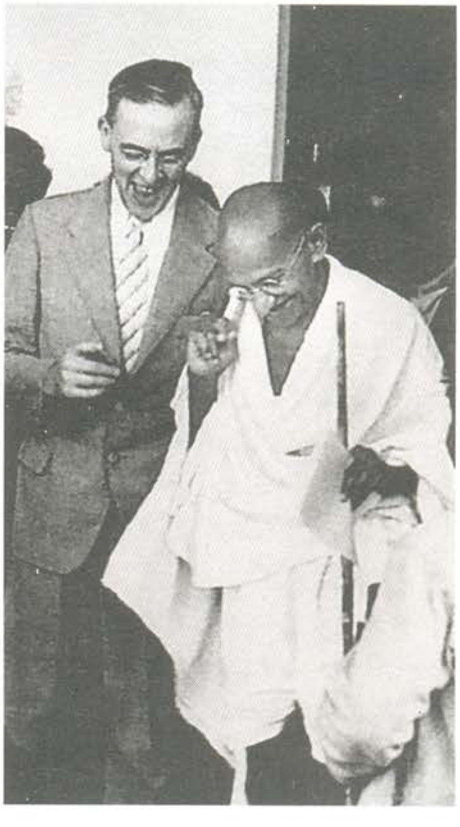

بحث کیجیے

ماخذ 5 اور 6 کو پڑھیے، دبے کچلے طبقات کے لیے جداگانہ انتخابی حلقوں کے مسئلے پر امبیڈکر اور گاندھی جی کے درمیان خیالی مکالمے کو لکھیے۔

4. ہندوستان چھوڑو (QUIT INDIA)

کرپس مشن کی ناکامی کے بعد گاندھی جی نے برطانوی حکومت کے خلاف اپنی تیسری بڑی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مہم ''ہندوستان چھوڑو'' تحریک تھی جس کو اگست 1942 میں شروع کیا گیا۔ اگرچہ گاندھی جی کو ایک بار پھر جیل میں بند کر دیا گیا لیکن نوجوان سرگرم کارکنان پورے ملک میں ہڑتالیں اور تخریب کاری کے کام تشکیل دیتے رہے۔ بالخصوص پرکاش نارائن جیسے کانگریس کے اشتراکی ممبران خفیہ مزاحمت میں سرگرم تھے۔ بہت سے اضلاع میں جیسے مغرب میں ستارا اور مشرق میں میدنی پور میں ''آزاد'' حکومتوں کا اعلان کر دیا گیا۔ انگریزوں نے اس تحریک کا سختی کے ساتھ جواب دیا، تاہم اس بغاوت کو دبانے میں ایک سال سے بھی زائد کا عرصہ لگا۔

''ہندوستان چھوڑو'' واقعتاً ایک عوامی تحریک تھی جس میں لاکھوں کی تعداد میں عام ہندوستانی شامل ہوئے۔ خاص طور پر اس تحریک کو بڑی تعداد میں نوجوانوں نے توانائی مہیا کرائی جو اپنے کالجوں کو چھوڑ کر جیل گئے تھے۔ تاہم اس دوران کانگریس کے لیڈران جیل میں بند تھے، مسلم لیگ میں جناح اور ان کے ساتھی صبر و تحمل کے ساتھ اپنا دائرہ وسیع کرنے کے لیے کام کر رہے تھے۔ ان سالوں میں لیگ نے پنجاب اور سندھ میں اپنی پہچان بنانا شروع کی تھی جہاں ماضی میں اس کی برائے نام موجودگی پائی جاتی تھی۔

ستارا 1943 (Satara)

انیسویں صدی کے آخر سے ایک غیر برہمی تحریک جو ذات پات کے نظام اور زمین داری نظام کے خلاف تھی مہاراشٹر میں ارتقا پذیر ہو چکی تھی۔ اس تحریک کے 1930 کی دہائی تک فوجی تحریک کے ساتھ رابطے قائم ہو چکے تھے۔

1943 میں مہاراشٹر کے ستارا ضلع میں کچھ جوان لیڈروں نے رضاکار دستے (سیبا دل) اور دیہی اکائی (طوفان دل) کے ساتھ ایک متوازی حکومت (پرتی سرکار) قائم کر لی تھی۔ انھوں نے عوامی عدالتوں کا نظم کیا اور منظم تعمیری کام کیے۔ کنبی کسانوں کے غلبے اور دلتوں کی حمایت سے ستارا کی پرتی سرکار، حکومت کے استیصال اور کانگریس کی ناپسندیدگی کے باوجود 1946 کے الیکشن تک منجملہ امور انجام دیتی رہی۔

شکل 13.12
ہندوستان چھوڑو تحریک کے دوران ممبئی میں خواتین کا ایک جلوس

جون 1944 میں جب جنگ عظیم خاتمہ کے قریب تھی، گاندھی جی کو جیل سے رہا کر دیا گیا۔ اسی سال گاندھی جی نے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان فاصلہ کم کرنے کے لیے جناح کے ساتھ میٹنگوں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ 1945 میں برطانیہ میں لیبر پارٹی اقتدار میں آئی جو ہندوستان کو آزادی دینے کے لیے خود کو پابند عہد سمجھتی تھی۔ اس عرصے میں ہندوستان میں وائسرائے لارڈ ویویل نے کانگریس اور مسلم لیگ کو باہم ساتھ لانے کے مقصد سے بات چیت کا ایک سلسلہ شروع کیا۔

1946 کے شروع میں صوبائی قانون ساز اداروں (اسمبلی) کے الیکشن ہوئے۔ جنرل زمرے میں کانگریس نے سب کا صفایا کر دیا لیکن خاص طور پر مسلمانوں کے لیے محفوظ سیٹوں میں مسلم لیگ نے زبردست اکثریت سے جیت حاصل کی۔ سیاسی طور پر مخالف سمتوں میں بڑھنے کا میلان (عمل تقطیب) (Polarisation) مکمل ہو چکا تھا۔ 1946 کی گرمیوں میں ایک کابینی مشن برطانیہ سے ہندوستان بھیجا گیا جس نے کانگریس اور مسلم لیگ کو ایک وفاقی نظام (Federal System) پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ اس نظام کے تحت ہندوستان کو باہم متحد رکھنے کے لیے ایک حد تک صوبوں کو خودمختاری دینے کی بات کی گئی تھی۔ مشن کی یہ کوشش ناکام رہی۔ سلسلۂ جنبانی (بات چیت) منقطع ہو جانے کے بعد جناح نے پاکستان کے لیے لیگ مطالبہ کے اصرار کے لیے ''یومِ راست کارروائی'' (Direct Action Day) کا اعلان کیا۔ اس کے لیے 16 اگست 1946 کا دن مقرر کیا گیا، اسی دن کلکتہ میں خونی فسادات پھوٹ پڑے۔ یہ تشدد دیہی بنگال بعد میں بہار تک پھر ملک کے ایک سے دوسرے سرے تک متحدہ صوبہ جات اور پنجاب تک پھیل گیا۔ بعض جگہوں پر مسلمان مصیبت کا شکار تھے تو دیگر جگہوں پر ہندو بھی اس کی زد میں آئے۔

شکل 13.13
مہاتما گاندھی کے ساتھ جواہر لعل نہرو (دائیں طرف) اور سردار ولبھ بھائی پٹیل (بائیں) تبادلۂ خیال کرتے ہوئے۔
کانگریس کے اندر نہرو اور پٹیل دو ممتاز سیاسی رجحانات اشتراکی اور قدامت پرستی کی نمائندگی کرتے تھے۔ مہاتما گاندھی کو اکثر ان دونوں گروہوں کے درمیان ثالث بننا پڑتا تھا۔

فروری 1947 میں ویویل کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ماؤنٹ بیٹن نے آخری دور کے مذاکرات کے لیے دعوت دی، لیکن جب یہ

© NCERT not to be republished

غیر نتیجہ خیز ثابت ہوا تو اس نے اعلان کیا کہ برطانوی ہندوستان آزاد کر دیا جائے گا لیکن اس کو تقسیم بھی کیا جائے گا۔ اقتدار کی رسمی منتقلی کے لیے 15 اگست کی تاریخ متعین کی گئی۔ جب وہ دن آیا تو ہندوستان کے مختلف حصوں میں جوش وولولے کے ساتھ جشن منایا گیا۔ دہلی میں جب آئین ساز مجلس کے صدر نے موہن داس کرم چند گاندھی کو ''بابائے قوم'' کا خطاب دیتے ہوئے میٹنگ شروع کی تو بہت دیر تک تالیوں کے ذریعہ دادوستائش ہوتی رہی۔ اسمبلی کے باہر مجمع ''مہاتما گاندھی کی جے'' کے نعرے لگا رہا تھا۔

5. آخری بہادرانہ دن
(The Last Heroic Days)

15 اگست 1947 کے دن جب راجدھانی میں آزادی کی خوشی میں جشن منائے جا رہے تھے، گاندھی جی ہندوستان میں موجود تھے۔ وہ کلکتہ میں تھے لیکن انھوں نے نہ تو کسی تقریب میں شرکت کی اور نہ ہی یہاں جھنڈا لہرایا۔ گاندھی جی اسی دن 24 گھنٹے کے روزہ پر تھے۔ انھوں نے جس آزادی کے لیے اتنی طویل جدوجہد کی تھی وہ ایک ناقابلِ قبول قیمت پر انھیں ملی تھی یعنی ملک تقسیم ہو گیا اور ہندو مسلمان ایک دوسرے کی گردن پر سوار تھے۔

گاندھی جی کے سوانح نگار ڈی۔ جی۔ تینڈولکر نے لکھا ہے کہ گاندھی جی ''پریشانی اور زبوں حالی کے شکار لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے اسپتالوں اور مہاجرین کے کیمپوں کا چکر لگا رہے تھے۔ انھوں نے سکھوں، ہندوؤں اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ ''وہ ماضی کو بھلا کر اور اپنی مصیبتوں پر توجہ دینے کی بجائے ایک دوسرے کی طرف بھائی چارے کا ہاتھ بڑھانے اور امن وسکون کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کریں.....''

گاندھی جی اور نہرو کی پیش قدمی پر ''اقلیتوں کے حقوق'' پر ایک قرارداد پاس کی گئی۔ کانگریس پارٹی نے ''دوقومی نظریہ'' کو کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ اپنی خواہش کے برخلاف جب تقسیم ملک کے لیے اسے اپنی منظوری دینی پڑی تب بھی اسے یقین تھا کہ ''ہندوستان کثیر مذاہب اور کثیر نسلوں کا ملک ہے اور اسے ایسا ہی برقرار رہنا ہے'' پاکستان میں حالت جو بھی رہے، ہندوستان ''ایک جمہوری سیکولر ریاست ہوگی جہاں سبھی شہریوں کو تمام حقوق حاصل ہوں گے اور مذہب کا لحاظ کیے بغیر جس سے وہ تعلق رکھتا ہے، ریاست کی طرف سے تحفظ کے لیے وہ برابر کا حقدار ہوگا۔ کانگریس نے امید جتائی اور اقلیتوں کو یقین دہانی کرائی کہ وہ ہندوستان میں ان کے شہری حقوق کے خلاف جارحیت سے اپنی بہترین استعداد کے ساتھ مسلسل تحفظ کرے گی۔''

© NCERT not to be republished

شکل 13.14
گاندھی جی ایک فسادزدہ گاؤں کی طرف جاتے ہوئے، 1947

بہت سے دانشوروں نے آزادی کے بعد کے مہینوں کو گاندھی جی ''نہایت عمدہ ساعت'' لکھا ہے۔ بنگال میں امن قائم کرنے کے بعد گاندھی جی دہلی منتقل ہو گئے جہاں سے وہ پنجاب کے فساد زدہ اضلاع میں جانے کے خواہش مند تھے۔ حالانکہ راجدھانی میں ہی مہاجرین کے ذریعہ ان کے جلسے میں خلل اندازی ہونے لگی جو جلسوں میں ان کے قرآن کی آیات پڑھنے پر اعتراض کرتے یا زور سے نعرے لگاتے تھے اور پوچھتے تھے کہ وہ ان ہندوؤں اور سکھوں کی تکالیف و پریشانی کے متعلق کیوں نہیں بولتے جو ابھی تک پاکستان میں رہ رہے ہیں۔ جی۔ ڈی۔ تینڈولکر لکھتے ہیں کہ گاندھی جی پاکستان میں موجود اقلیتی طبقوں کی تکالیف کے تئیں مساوی طور پر فکرمند تھے۔ وہ ان کی اعانت و دستگیری کے لیے وہاں جانے کے لیے خواہش مند تھے، لیکن وہ کس منہ سے وہاں جا سکتے تھے جب کہ وہ دہلی میں ہی مسلمانوں کو تکلیف و پریشانی سے پوری طرح تلافی کی ضمانت بھی نہیں دے سکتے تھے؟''

20 جنوری 1948 کے دن گاندھی پر ایک جان لیوا حملہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن انھوں نے بے خوف اپنا کام جاری رکھا۔ 26 جنوری کو انھوں نے اپنی پرارتھنا سبھا (مناجاتی جلسہ) میں اس بات کا ذکر کیا کہ گذشتہ سالوں میں کس طرح اس دن کو یوم آزادی کے جشن کے طور پر منایا جاتا تھا۔ اب آزادی مل چکی ہے لیکن اس کے کچھ ابتدائی مہینے فریب نظر اور وہموں سے بھرے تھے۔ تاہم ان کا یقین تھا کہ ''بدترین دور گذر چکا ہے'' لہٰذا اب سب ہندوستانی ''تمام طبقات اور مذاہب کی برابری'' کے لیے اجتماعی طور پر کام کریں گے۔ اقلیتی طبقے پر اکثریتی طبقے کا غلبہ اور برتری کبھی قائم نہیں ہوگی خواہ اقلیتی طبقہ تعداد اور اثر کے اعتبار سے کتنا ہی غیر اہم کیوں نہ ہو'' خود انھوں نے اس بات کی امید بھی دلائی کہ'' اگرچہ جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے لیکن دل میں ہم سب دوست اور بھائی ہی رہیں گے، ایک دوسرے کی مدد اور تکریم و تعظیم کرتے رہیں گے اور خارجی دنیا کے لیے ایک ہی ہوں گے۔''

گاندھی جی نے آزادی اور متحدہ ہندوستان کے لیے زندگی بھر لڑائی لڑی، مزید برآں جب ملک تقسیم ہو گیا تب بھی ان کا اصرار تھا کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے لیے عزت اور دوستی قائم رکھیں۔

دوسرے ہندوستانیوں کو ان کا حد سے زیادہ معاف کر دینے والا انداز پسند نہ تھا۔ 30 جنوری کی شام کو ان کے روزانہ کے مناجاتی جلسہ میں ایک نوجوان نے گاندھی جی کو گولی مار کر موت

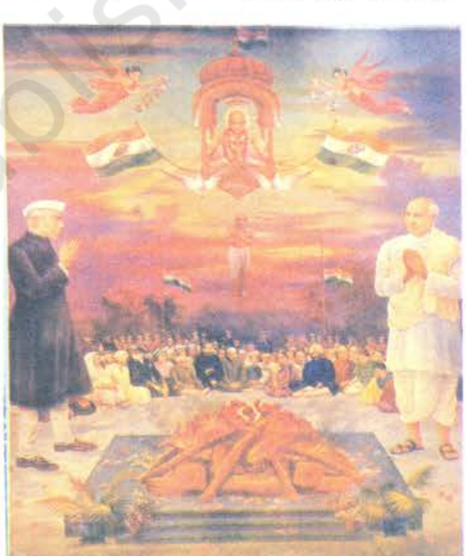

شکل 13.15
گاندھی جی کی وفات، ایک مروج تصویر

مروج عوامی شبیہوں میں گاندھی جی کو دیوتا قرار دے دیا گیا اور انھیں قومی تحریک میں ایک اتحاد پیدا کرنے والی قوت کے طور پر دکھایا جاتا تھا۔ یہاں آپ جواہر لعل نہرو اور سردار پٹیل کو دیکھ سکتے ہیں جو کانگریس کے اندر دریا کے دو کناروں کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ گاندھی جی کی چتا کے دونوں طرف کھڑے ہیں۔ تصویر کے وسط میں مہاتما گاندھی دونوں کو دعا (آشیرواد) دے رہے ہیں۔

© NCERT not to be republished

کی نیند سلا دیا۔ ان کے قاتل نے بعدازاں خود سپردگی کردی جو ناتھورام گوڈسے نامی پونے کا ایک برہمن تھا۔ ناتھورام گوڈسے ایک انتہا پسند ہندو اخبار کا ایڈیٹر تھا جو گاندھی جی کی ''مسلمانوں کے تشفی کرنے والے'' کے طور پر بالاعلانیہ مذمت کرتا تھا۔

گاندھی جی کی موت غیر معمولی طور پر گہرے رنج وغم کے جذبات کے اظہار کا سبب بنی، ہندوستان میں سیاسی قوس وقزح کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ جارج ویل اور البرٹ آئن اسٹائین جیسی بین الاقوامی شخصیات کی طرف سے بھی جذباتی و حساس ردِعمل سامنے آیا۔ ایک زمانے میں گاندھی جی کی جسمانی ساخت اور ظاہراً غیر عقلیت پسند خیالات کا مذاق اڑانے والے ''ٹائم'' میگزین نے ان کی شہادت کا موازنہ ابراہم لنکن کی شہادت سے کیا جن کو ایک متعصب امریکی شہری نے قتل کر دیا تھا کیونکہ ابراہم لنکن بلا لحاظ رنگ ونسل نوع انسانی کی مساوات میں یقین رکھتے تھے اور جس نے گاندھی جی کو قتل کیا تھا وہ ایک متعصب ہندو تھا۔ گاندھی جی کا یقین تھا کہ دوستی ممکن ہے اور مختلف مذاہب کے ہندوستان کے درمیان وہ واقعتاً اس کی ضرورت پر زور دیتے تھے۔ اس احترام میں ''ٹائم'' لکھتا ہے۔ ''دنیا جانتی تھی کہ اس نے ان کی (گاندھی جی) موت پر ویسی ہی چشم پوشی اختیار کی ہے جیسی لنکن کی موت پر کی تھی اور دنیا کے لیے یہ سمجھنا ایک معنی میں بہت گہرا اور بے حد آسان کام ہے۔''

6. گاندھی جی کی واقفیت (KNOWING GANDHI)

ایسے کئی قسم کے ماخذات موجود ہیں جن کی روشنی میں ہم گاندھی جی کی سیاسی زندگی کے واقعات اور قومی تحریک کی تاریخ کی تعمیر نو کر سکتے ہیں۔

6.1 عوامی رائے اور ذاتی تحریریں

(Public voice and private scripts)

مہاتما گاندھی اور ان کے ہم عصروں بشمول رفیق کاروں اور مخالفوں دونوں کی تحریریں اور تقریریں ایک اہم ماخذ ہیں۔ ان میں ہمیں یہ امتیاز کرنا ضروری ہے کہ کون سی عوام کے لیے معنی خیز ہیں اور کون سی نہیں۔ مثال کے طور پر تقریریں ہمیں ایک فرد کی عوامی رائے سننے کی اجازت دیتی ہیں۔ جب کہ اس کے ذاتی خطوط ہمیں ذاتی خیالات کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ خطوط میں ہم لکھنے والے افراد کا اپنا غصہ اور درد، ان کا اضطراب اور بے چینی، ان کی امیدیں اور مایوسی بیان کرتے ہوئے ان معنی میں دیکھ سکتے ہیں جس معنی میں وہ بذات خود عوامی بیانات میں ظاہر نہیں کر سکتے، لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ ذاتی وعوامی کا فرق اکثر ٹوٹ جاتا ہے۔ بہت سارے خطوط

جو کسی فردِ واحد کو لکھے جاتے ہیں اس لیے وہ ذاتی کہلاتے ہیں لیکن وہ عوام کے لیے بھی کسی حد تک بامعنی ہوتے ہیں۔ خطوط کی زبان اکثر اس شعور سے تشکیل پاتی ہے کہ شاید انھیں ایک دن شائع کر دیا جائے۔ اس کے برعکس خط کے شائع ہونے کی امید اکثر لوگوں کو ذاتی خطوط میں بھی اپنی رائے کا اظہار آزادی سے کرنے میں مزاحم ہوتی ہے۔ مہاتما گاندھی اپنے رسالہ ''ہریجن'' میں باقاعدگی کے ساتھ ان خطوط کو شائع کرتے تھے جو دوسرے افراد ان کو لکھتے تھے۔ نہرو نے قومی تحریک کے دوران انھیں لکھے گئے خطوط کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا اور اسے ''اے بنچ آف اولڈ لیٹرز'' (پرانے خطوط کا مجموعہ A Bunch of Letters) کے نام سے شائع کیا تھا۔

ماخذ 7

ایک واقعہ خطوط کے ذریعہ (One event through letters)

1920 کی دہائی میں جواہر لعل نہرو اشتراکیت (Socialism) سے متواتر متاثر ہو رہے تھے اور 1928 میں جب وہ یوروپ سے واپس آئے تب وہ سوویت یونین سے شدید متاثر تھے۔ جب انھوں نے اشتراکی لوگوں (جے پرکاش نارائن، نریندر دیو، این۔ جی۔ رنگا اور دیگر) کے ساتھ نزدیکی طور پر کام کرنا شروع کیا تو کانگریس کے اندر اشتراکی اور قدامت پرستوں کے درمیان ایک دراڑ پیدا ہوگئی۔ 1936 میں کانگریس کا صدر بننے کے بعد نہرو نے فاشزم (فسطائیت) کے خلاف جذباتی بیان دیے اور مزدوروں و کسانوں کے مطالبات کی حمایت کی۔

نہرو کی اشتراکی خطابت سے فکر مند قدامت پرستوں نے راجندر پرساد اور سردار پٹیل کی قیادت میں کانگریس ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دینے کی دھمکی دی اور ممبئی میں کچھ اہم صنعت کاروں نے نہرو پر تنقید کرتے ہوئے بیانات جاری کیے۔ بعد میں پرساد اور نہرو دونوں نے مہاتما گاندھی کی طرف رخ کیا اور واردھا میں واقع ان کے آشرم میں ان سے ملاقات کی۔ جیسا کہ گاندھی جی اکثر کرتے تھے انھوں نے دونوں کے بیچ ثالث کا کردار ادا کرتے ہوئے نہرو کی سیاسی انتہا پسندی اور پرساد نیز دیگر لوگوں کو نہرو کی قیادت کی اہمیت کو باور کرایا۔

اے بنچ آف اولڈ لیٹرز، 1958 میں نہرو نے اس وقت کی تبادلۂ مراسلت کے بہت سے خطوط کی مکرر اشاعت کی۔ ان خطوط کے اقتباسات کو ذیل میں پڑھیے۔

اے بنچ آف اولڈ لیٹرز سے (From A Bunch of Old Letters)

عزیز من جواہر لعل جی، واردھا، یکم جولائی **1936**

کل آپ سے رخصت ہونے کے بعد ہم نے مہاتما گاندھی جی سے طویل گفتگو اور تفصیلی مشاورت کی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے طرزِ عمل سے آپ نے شدید تکلیف محسوس کی ہے، خاص طور سے ہمارے خط کا لہجہ آپ کے لیے شدید تکلیف کا باعث بنا ہے۔ ہمارا مقصد کبھی بھی آپ کو شرمندہ کرنا یا تکلیف پہنچانا نہیں تھا اور اگر آپ تجویز کر دیتے یا نشاندہی کر دیتے کہ اس بات سے آپ کو تکلیف پہنچی تو ہم بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے خط میں ترمیم یا اس میں تبدیلی کر لیتے لیکن ہم نے مکمل صورت حال کی نظرثانی کرنے کے بعد یہ خط اور اپنے استعفیٰ کو واپس لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

ہم کو محسوس ہوتا ہے کہ پریس میں شائع تمام گفتگو میں آپ کانگریس کے عمومی پروگرام کے متعلق اتنا زیادہ نہیں بول رہے ہیں جتنا ایک ایسے موضوع پر جس کو کانگریس نے درست تسلیم نہیں کیا ہے اور ایسا کرتے ہوئے آپ کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ہمارے اقلیتی طبقے کے ساتھیوں کے ترجمان کی طرح زیادہ عمل کر رہے ہیں نہ کہ اکثریتی طبقے کے ترجمان کی حیثیت سے جس کی کانگریس صدر ہونے کے ناطے ہمیں آپ سے امید تھی۔

ہمارے خلاف یہاں مسلسل ایک مہم جاری ہے اور ہمارے ساتھ ایک ایسے شخص جیسا سلوک کیا جا رہا ہے جس کا وقت گزر چکا ہو، جو فرسودہ خیالات وتصورات جس کی دور حاضر میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، کی نمائندگی کرتا ہے، جو ملک کی ترقی کے عمل میں رخنہ اندازی کرتے ہیں اور اس کے مستحق ہیں کہ ان کو ان عہدوں سے نکال باہر کرنا چاہیے جن پر انھوں نے نامناسب طور پر قبضہ کر رکھا ہے........ہم نے محسوس کیا ہے کہ دیگر لوگوں نے ہمارے ساتھ ناانصافی کی ہے اور کر رہے ہیں اور ہمیں آپ کی طرف سے وہ تحفظ نہیں مل پا رہا ہے جو بطور ایک ساتھی اور ہمارے صدر کی حیثیت سے آپ کی طرف سے ملنے کے ہم مستحق ہیں..........

آپ کا مخلص

راجندر پرساد

میرے پیارے باپو **الہ آباد، 5 جولائی 1936**

میں کل رات یہاں پہنچا، جب سے میں نے واردھا چھوڑا ہے جسمانی کمزوری اور ذہنی طور پر پریشانی محسوس کر رہا ہوں

...... یوروپ سے میری واپسی کے بعد سے میں نے پایا کہ ورکنگ کمیٹی کی میٹنگوں کے بعد بری طرح تھک جاتا ہوں؛ وہ مجھ پر کمزوری کے اثرات مرتب کرتی ہیں اور سال بہ سال ہر نئے تجربے کے بعد تقریباً میں خود کو مزید بوڑھا محسوس کرنے لگتا ہوں......

معاملات کو ہموار کرنے میں اور بحران سے بچانے کے لیے تعاون دینے میں آپ نے جو زحمت اٹھائی ہے، اس کے لیے میں آپ کا مشکور ہوں۔

مجھے بھیجا گیا راجندر بابو کا خط (دوسرا خط) میں نے دوبارہ پڑھا۔ اس میں انھوں نے مجھے ایک دہشت انگیز اور تعزیری کارروائی کرنے والا شخص تصور کیا ہے......

تاہم حقائق کتنی ہی نرمی وگدازی سے بیان کیے جائیں، ان کے معنی یہ ہیں کہ میں ایک ناقابل برداشت زحمت بن چکا ہوں اور جو بھی خوبیاں رکھتا ہوں تھوڑی بہت قابلیت، طاقت، سنجیدگی، کسی حد تک ایسی شخصیت جو مبہم کشش رکھتی ہے ان کے لیے خطرناک بن چکی ہیں کیونکہ وہ (میں) ایک غلط رتھ (اشتراکیت) کے لیے کمربستہ ہیں۔ ان سب کا نتیجہ عیاں ہے۔

میں نے اپنے موجودہ خیالات وتصورات کے متعلق اپنی کتاب میں اور بعد میں بھی بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ میرے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے یہاں مواد کی کمی نہیں ہے۔ میرے وہ نظریات عارض نہیں ہیں۔ وہ میرا حصہ ہیں اور اگرچہ میں انھیں بدل سکتا ہوں یا مستقبل میں وہ بدل سکتے ہیں، جب تک کہ میں انھیں سنبھالے ہوئے ہوں ان کا اظہار ضرور کروں گا کیونکہ میں ایک وسیع اتحاد کے لیے اسے بڑی اہمیت دیتا ہوں، اس لیے میں نے ممکنہ طریقے سے معتدل انداز میں ان کا اظہار کیا ہے اور معین نتیجے کے بجائے غور وخوض کے لیے بطور دعوت نامہ زیادہ پیش کیا ہے۔

مجھے اس طریقہ میں اور کانگریس جو کچھ کر رہی تھی، اس کے درمیان کوئی ٹکراؤ نظر نہیں آتا۔ جہاں تک انتخابات کا تعلق ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا طریقہ ہمارے لیے ایک واضح و معین اثاثہ ہے کیونکہ اس سے عوام میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے، لیکن میرے وہ طریقے، جو معتدل اور مبہم تھے، میرے ساتھی خطرناک اور نقصان سمجھتے ہیں۔ مجھ سے یہاں تک کہا گیا کہ ہندوستان میں غریبی اور بیروزگاری پر ہمیشہ اصرار کرنا کوتاہ اندیشی تھی، یا بہر میں صورت میں اس معاملے میں غلط تو تھا ہی......

آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کسی قسم کا بیان جاری کرنا چاہتے ہیں، میں اس بیان کا خیر مقدم کروں گا، کیونکہ میرا ماننا ہے کہ ہر نظریہ ملک کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

محبت کے ساتھ آپ کا

جواہر لعل

عزیز من جواہر لعل جی — سیگاؤں، 15 جولائی 1936

تمہارا خط رقت انگریز ہے، تم اپنے آپ کو سب سے زیادہ زخمی محسوس کرتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ساتھیوں کے پاس تمہاری جیسی ہمت اور بے باکی کا فقدان ہے۔ نتیجہ تباہ کن رہا ہے۔ میں نے ہمیشہ التجا کی ہے کہ وہ تم سے آزادی اور بے خوفی کے ساتھ بات کریں لیکن ان کے پاس ہمت کی کمی ہے اس لیے وہ جب بھی کبھی بولتے ہیں بد سلیقگی کے ساتھ بولتے ہیں اور تم آزردہ محسوس کرتے ہو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں، وہ تمہیں اس لیے ہراساں کر رہے ہیں کیونکہ تمہاری حساسیت اور بے صبری سے وہ واقف ہیں۔ وہ تمہاری تنقید و ملامت اور تحکم آمیز انداز سے تلملا جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر تمہارے اندر جو خط سے مبرا اور برتر علم انھیں نظر آتا ہے اسے تمہارا بے جا دعویٰ تصور کرتے ہیں۔ انھیں محسوس ہوتا ہے کہ تم نے ان کے ساتھ بمشکل کوئی خوش اخلاقی کا سلوک کیا ہے اور کبھی بھی اشتراکیوں کے تمسخر اور حتی کہ بدتعبیری سے ان کا دفاع نہیں کیا ہے۔

میں اس پورے معاملے کو ایک حسرت ناک مضحکہ خیز واردات کی طرح دیکھتا ہوں تاہم میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اس پورے معاملے کو ہلکے انداز میں دیکھو۔

میں نے ہی تمہارا نام اس کانٹوں بھرے تاج (کانگریس کی صدارت) کے لیے تجویز کیا تھا، اگرچہ سر زخمی ہو جائے اسے پہنے رہنا۔ کمیٹی کی میٹنگوں میں اپنی حس مزاح دوبارہ شروع کرو۔ وہ تمہارا اکثر معمول کا کردار ہے۔ نڈھال شخص کی طرح نہیں، تنگ مزاج آدمی معمولی سے موقع پر پھٹ پڑنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے تار کے ذریعہ بتاؤ کہ میرا خط پڑھنے کے بعد تمہیں ویسی ہی خوشی محسوس ہوئی جیسے لاہور میں نئے سال کے دن تم نے محسوس کی تھی جب مجھے اطلاع ملی تھی کہ تم ترنگے کے چاروں جانب ناچے تھے۔

تم اپنے گلے کو ایک (آرام) موقع ضرور دو۔

میری طرف سے پیار

باپو

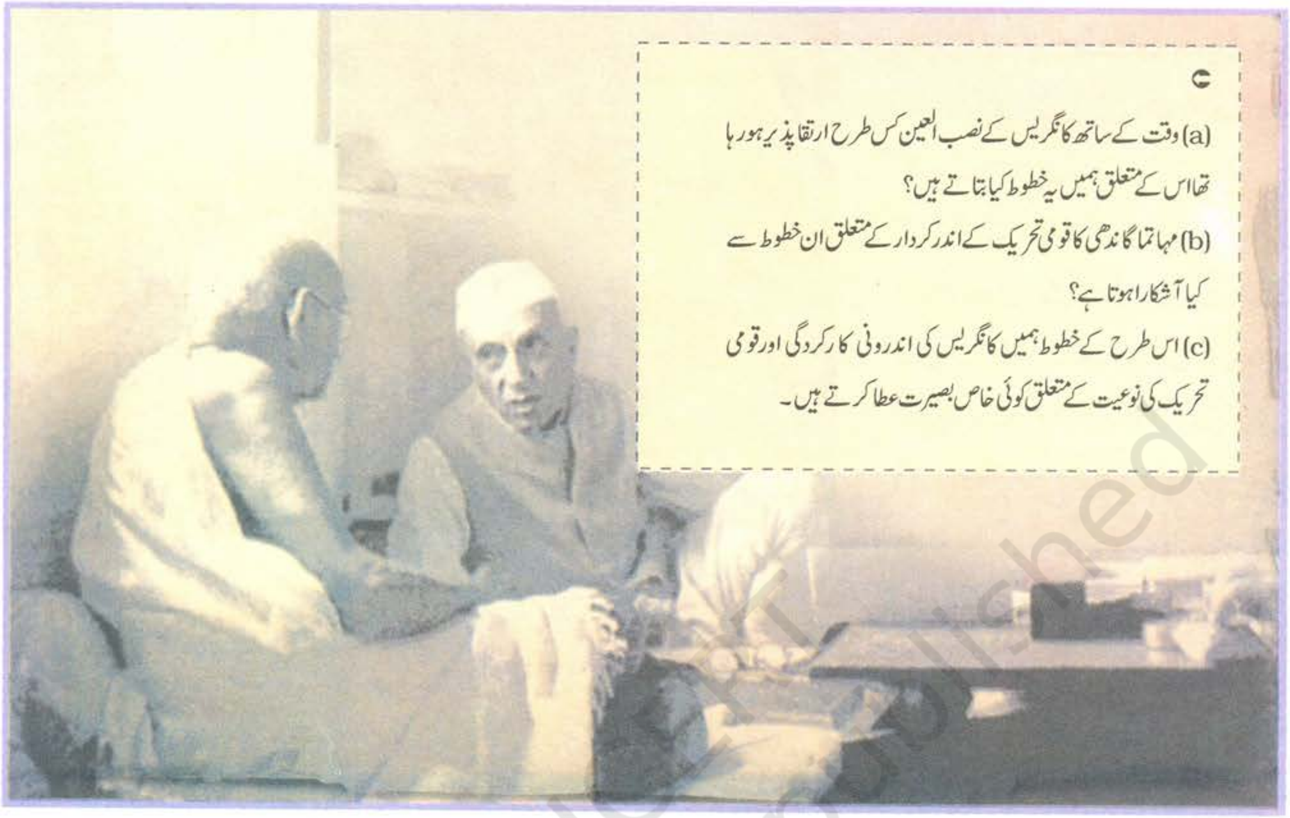

(a) وقت کے ساتھ کانگریس کے نصب العین کس طرح ارتقا پذیر ہو رہا تھا اس کے متعلق ہمیں یہ خطوط کیا بتاتے ہیں؟

(b) مہاتما گاندھی کا قومی تحریک کے اندر کردار کے متعلق ان خطوط سے کیا آشکارا ہوتا ہے؟

(c) اس طرح کے خطوط ہمیں کانگریس کی اندرونی کارکردگی اور قومی تحریک کی نوعیت کے متعلق کوئی خاص بصیرت عطا کرتے ہیں۔

6.2 تصویری قالب (Framing a picture)

خودنوشت سوانح عمریاں ہمیں ماضی کی ایک ہی طرح کی روداد سناتی ہیں جو انسانی تفصیلات کے لحاظ سے کافی مالا مال تھا، لیکن یہاں ہمیں ایک بار پھر خودنوشت سوانح عمریوں کے پڑھنے اور ان کی تعبیر کے طریقہ کو مدنظر رکھتے ہوئے محتاط رہنا ہوگا۔ ہمیں یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ سابقہ حالات سے متعلق روداد اکثر یادداشت کی بنیاد پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ ہمیں بتاتی ہیں کہ مصنف کیا یادیں تازہ کر رہا ہے۔ اسے کیا اہم نظر آیا یا وہ کیا بیان کرنے پر قادر تھا یا ایک شخص اپنی زندگی دوسروں کی نظروں میں کس طرح لانے کا خواہش مند تھا۔ ایک خودنوشت سوانح عمری لکھنا اپنی زندگی کو تصویری قالب میں لانے کا ایک طریقہ ہے۔ اس لیے ان رودادوں کو پڑھتے ہوئے ہمیں وہ دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے جو مصنف ہمیں بتانا نہیں چاہتا۔ ہمیں اس خاموشی کے اسباب کو سمجھنے کی ضرورت ہے یعنی وہ سب دیدہ و دانستہ یا غیر دانستہ فراموش کردہ کام۔

6.3 پولس کی نظر سے (Through police eyes)

دیگر انتہائی اہم ماخذ حکومت کے دستاویزات ہیں، نوآبادیاتی حکمراں ایسے دستاویزات کو تسمہ سے باندھ کر رکھتے تھے جن کو وہ حکومت کے لیے مخدوش سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں پولس والوں اور دیگر

© NCERT not to be republished

شکل 13.16
سول نافرمانی تحریک کے دوران بمبئی میں کانگریس کے رضا کاروں کے ساتھ پولس کا تصادم۔

افسران کے ذریعہ لکھے گئے خطوط اور رپورٹیں صیغۂ راز ہوتی تھیں، لیکن اب یہ دستاویزات آرکائیوز میں قابل دسترس ہیں۔

آیئے ہم ایک ایسے ہی ماخذ پر نظر ڈالیں: ابتدائی بیسویں صدی سے شعبہ وزارت داخلہ کے ذریعہ تیار کردہ پندرہ روزہ رپورٹیں مقامی علاقوں سے پولس کے ذریعہ فراہم کردہ اطلاعات پر مبنی ہیں۔ اکثر یہ رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں کہ اعلیٰ افسران کیا دیکھنا چاہتے تھے یا کیا یقین کرنے کے خواہش مند تھے۔ سرکشی اور بغاوت کے امکانات کا مشاہدہ کرتے ہوئے حالانکہ وہ خود کو یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ یہ خوف بلاجواز تھے۔ اگر آپ نمک ستیہ گرہ (مارچ) کے زمانے کی پندرہ روزہ رپورٹوں کو ملاحظہ کریں تو آپ مشاہدہ کریں گے کہ شعبہ وزارت داخلہ یہ قبول کرنے کے لیے رضامند نہ تھا کہ مہاتما گاندھی کی کارروائیوں کے تئیں عوام کی طرف سے کوئی پرجوش ردعمل ابھر رہا تھا۔ ان رپورٹوں میں نمک

کیا آپ اس تصویر اور پولس کی تیار کردہ رپورٹوں میں دی گئی اطلاعات کے درمیان باہم تضاد دیکھ سکتے ہیں؟

شعبۂ وزارت داخلہ کی پندرہ روزہ رپورٹیں (بصیغۂ راز)
(Fortnightly Reports of the Home Department (Confidential))

مارچ 1930 کا پہلا عشرہ

یہاں گجرات میں سیاسی ارتقائی عمل پر گہری نظر رکھی جا رہی ہے۔ اس سے صوبہ کی سیاسی صورت حال پر کس حد تک اور کس رخ پر اثر پڑے گا، اس وقت اس کا اندازہ کرنا مشکل امر ہے۔ فی الحال کسان ربیع کی فصل کی کٹائی میں مشغول ہیں۔ طلبہ اپنے آنے والے امتحانات کی تیاری میں منہمک ہیں۔

مرکزی صوبہ جات اور برار

ولبھ بھائی پٹیل کی گرفتاری، کانگریس حلقوں کے علاوہ معمولی ہیجان کا سبب بنی لیکن ناگپور کانگریس کمیٹی کے ذریعہ گاندھی کو ان کا مارچ شروع کرنے پر مبارک باد دینے کے لیے میٹنگ میں 3,000 سے بھی زیادہ افراد کا مجمع موجود تھا۔

بنگال

گاندھی جی کی سول نافرمانی مہم کا آغاز گزشتہ عشرہ کا غیر معمولی واقعہ ہے۔ جے۔ ایم۔ سین گپتا اور بنگال صوبائی کانگریس کمیٹی نے ایک کل بنگال سول نافرمانی کونسل تشکیل دی ہے۔ لیکن ان کی تشکیل کے علاوہ بنگال میں سول نافرمانی کے معاملے میں کوئی سرگرم قدم ابھی تک نہیں اٹھایا گیا ہے۔

اضلاع کی رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں کہ جو میٹنگیں منعقد کی گئیں ان میں لوگوں میں معمولی جوش یا دلچسپی دکھائی نہیں دی اور عام لوگوں پر کوئی گہرا نقش نہیں چھوڑا تاہم یہ امر قابل غور ہے کہ ان میٹنگوں میں حاضر ہونے والی خواتین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

© NCERT not to be republished

مارچ 1930 کا دوسرا عشرہ

بہار اور اڑیسہ

کانگریس کی سرگرمی سے متعلق رپورٹ کرنے کے لیے یہاں برائے نام مواد ہے۔ یہاں چوکیداری ٹیکس کی ادائیگی نہ کرنے کے سلسلے میں ایک مہم خاصی زیر بحث ہے۔ لیکن ابھی تک اس تجربہ کے لیے کوئی علاقہ منتخب نہیں کیا گیا ہے۔ گاندھی جی کی گرفتاری کے تعلق سے بے تحاشا قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں، لیکن یہ زیادہ ممکن نظر آتا ہے کہ پیشین گوئیوں کے سچ ثابت نہ ہونے کے سبب سارے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں۔

مدراس

گاندھی جی کی سول نافرمانی مہم شروع ہونے سے سارے دیگر مسئلے پوری طرح ماند پڑ گئے ہیں۔ اس ضمن میں عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ مارچ ڈرامائی ہے اور ان کا یہ پروگرام ناقابل عمل ہے لیکن عموماً ہندو عوام بذات خود انھیں مقدس و محترم خیال کرتے ہیں، اس لیے گرفتاری کے امکان جس کے بارے میں وہ قصداً پر جوش نظر آتے ہیں اور اس کے سیاسی حالات پر اثرات، کافی بدگمانی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

12 مارچ، سول نافرمانی مہم کے افتتاح کے دن کے طور پر منایا گیا۔ ممبئی میں صبح کے وقت جشن کی شکل میں قومی پرچم کو سلامی دی گئی۔

بمبئی

کیسری پریس کو جارحانہ زبان استعمال کرنے میں ملوث پایا گیا ہے۔ معمول کے مطابق اس کا رویہ متلون مزاجی کا ہے۔ لکھتا ہے ''اگر حکومت ستیہ گرہ کی طاقت آزمانا چاہتی ہے تو عمل اور بے عملی اس کے لیے ضرر کا سبب بنے گی۔ اگر سرکار گاندھی جی کو گرفتار کرتی ہے تو اسے ملک کی بے اطمینانی سے زیر بار ہونا پڑے گا، اگر حکومت ایسا نہیں کرتی تو سول نافرمانی کی تحریک وسیع ہوتی جائے گی۔ تاہم، ہم کہتے ہیں کہ اگر حکومت جناب گاندھی کو سزا دیتی ہے تو بھی ملک کی جیت ہوگی اور اگر حکومت انھیں اپنے راستے پر چلنے دیتی ہے تو پھر بھی یہ ایک بڑی فتح ہوگی۔ دوسری طرف اعتدال پسند اخبار'' وودھ ورت'' نے تحریک کے بے اثر ہونے کی نشاندہی کی ہے اور اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ یہ تحریک اپنے پیش نظر مقصد کو حاصل نہیں کر سکتی تاہم اس نے حکومت کو یاد دہانی کرائی کہ استیصال اس کے مقصد کو ناکام کر دے گا۔

بنگال

سب کی دلچسپی گاندھی کے سمندر تک مارچ اور سول نافرمانی مہم کے لیے ان کے انتظامات کے اطراف مرکوز ہے۔ انتہا پسند اخبارات ان کی کارروائیوں اور تقاریر کے متعلق تفصیل سے لکھ رہے ہیں اور پورے بنگال میں منعقد ہونے والی میٹنگوں اور ان میں پیش ہو رہی قراردادوں کے بعد بڑے پیمانے پر اس کی نمائش کر رہے ہیں۔ گاندھی کے ذریعہ سول نافرمانی کی شکل میں طرفداری کے لیے معمولی جوش ہے......

عام طور پر لوگ اس بات کو دیکھنے کے لیے انتظار کر رہے ہیں کہ گاندھی کے ساتھ کیا واقع ہوتا ہے اور امکان یہی ہے کہ اگر ان کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی تو بنگال میں آتش گیر مادہ میں چنگاری بھڑک اٹھے گی لیکن کسی طرح کی شدید آتشزدگی کی توقعات نظر نہیں آتیں۔

مرکزی صوبہ جات اور برار

ناگپور میں 12 مارچ کو گاندھی کے مارچ کے آغاز کے موقع پر ان میٹنگوں میں کافی لوگ حاضر ہوئے اور زیادہ تر اسکول ویران نظر آئے۔

شراب کی دکانوں کا بائیکاٹ اور جنگلی قوانین کی خلاف ورزی حملے کا سب سے زیادہ امکانی راستہ نظر آتا ہے۔

پنجاب

یہ محسوس کرنا بعید از امکان نہیں ہے کہ جہلم ضلع میں نمک کا قانون توڑنے کی منظم کوششیں کی جائیں گی۔ ملتان میں پانی ٹیکس کی عدم ادائیگی کے سلسلے میں جو شورش ہے، اس کی تجدید کی جائے گی اور غالباً گوجرانوالہ میں قومی پرچم کے تعلق سے کچھ تحریک شروع ہو سکتی ہے۔

© NCERT not to be republished

متحدہ صوبہ جات

گذشتہ عشرہ کے دوران سیاسی سرگرمی میں بلاشبہ شدت آئی کانگریس پارٹی محسوس کرتی ہے کہ عوام کی دلچسپی بنائے رکھنے کے لیے اسے کچھ قابل دید کام کرنے چاہئیں۔ گاندھی کے احکامات وصول ہونے پر رضا کاروں کی بھرتی، گاؤں میں پروپیگنڈہ اور نمک قانون توڑنے کی تیاری جیسی سرگرمیوں کی خبریں بہت سے اضلاع سے آرہی ہیں۔

اپریل 1930 کا پہلا عشرہ

متحدہ صوبہ جات

اس عشرہ کے دوران واقعات بہت تیزی سے آگے بڑھے۔ سیاسی میٹنگوں، جلسوں اور رضا کاروں کی بھرتی کے علاوہ، آگرہ، کانپور، بنارس، الہ آباد، لکھنؤ، میرٹھ، رائے بریلی، فرخ آباد، اٹاوہ، بلیا اور مین پوری میں نمک قانون کی کھلے عام خلاف ورزی کی گئی۔

14 اپریل کی صبح جب پنڈت جواہر لعل نہرو، مرکزی صوبہ جات میں یوتھ لیگ کی ایک میٹنگ میں شرکت کرنے جا رہے تھے تب ان کو چھیو کی ریلوے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا۔ ان کو اس موقع پر سیدھے نینی سینٹرل جیل لے جایا گیا جہاں ان پر مقدمہ چلا اور 6 مہینے کی معمولی قید کی سزا سنائی گئی۔

بہار اور اڑیسہ

بعض مقامات پر غیر قانونی طریقے سے نمک بنانے کی کوشش کی گئی لیکن چھوٹے پیمانے پر قابل دید کوششیں ہو رہی ہیں۔

مرکزی صوبہ جات

جبل پور میں سیٹھ گووند داس نے کیمیائی نمک بنانے کی کوششیں کی، جس کی لاگت صاف (عام) نمک کی بازاری قیمت سے کئی گنا زیادہ ہے۔

مدراس

جب پولس نے سمندر کے پانی کو ابال کر بنائے گئے نمک کو ضبط کرنے کی کوششیں کی تو وشاکھا پٹنم میں پولس کو معقول مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن دوسری جگہوں پر غیر قانونی نمک کو ضبط کرنے پر مزاحمت نیم دلی کے ساتھ کی گئی۔

بنگال

مفصل علاقوں میں غیر قانونی نمک بنانے کی کوششیں کی گئیں 24 پرگنہ اور میدنا پور اضلاع ان کارروائیوں کے اہم علاقے رہے۔

حقیقتاً بہت تھوڑی مقدار میں نمک بنایا گیا اور اس میں بھی زیادہ تر ضبط کر لیا گیا اور جن برتنوں میں نمک بنایا گیا تھا ان کو مسمار کر دیا گیا۔

پندرہ روزہ رپورٹوں کو غور سے پڑھیے۔ یاد رکھیے کہ یہ اقتباسات نوآبادیاتی شعبہ وزارت داخلہ کی بصیغۂ راز رپورٹوں سے لیے گئے ہیں۔ ان رپورٹوں میں مختلف مقامات سے پولس کے ذریعہ خبر کردہ اطلاعات کو ہمیشہ درست تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔

(1) آپ کے خیال میں یہ رپورٹیں کیا کہتی ہیں۔ اس سے ماخذوں کی نوعیت کس حد تک متاثر ہوتی ہے؟ مذکور بالا متون سے عبارت کے حوالے کے ساتھ اپنے دلائل کو مثالوں کے ساتھ مختصراً لکھیے۔

(2) آپ کیوں سوچتے ہیں کہ مہاتما گاندھی کی گرفتاری کے امکان کے متعلق لوگ کیا سوچتے تھے جس کے ضمن میں شعبہ وزارت داخلہ مستقل اطلاعات دے رہا تھا؟

5 اپریل 1930 کو ڈانڈی میں اپنی گرفتاری کے سوال کے بارے میں گاندھی جی نے تقریر میں کیا کہا تھا، اس کو دوبارہ پڑھیے۔

(3) آپ کے خیال میں مہاتما گاندھی کو گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟

(4) آپ کے خیال میں شعبہ وزارت داخلہ مستقل یہ کیوں کہتا رہا کہ ڈانڈی مارچ کے تئیں لوگوں کا کوئی جوابی ردعمل سامنے نہیں آیا۔

مارچ کو ایک ڈرامہ، ایک مضحکہ خیز قدم برطانوی حکومت کے خلاف ان لوگوں کی لام بندی کے لیے قانون شکن کوشش جو لوگ واقعتاً برطانوی حکومت کے خلاف، آواز اٹھانے کے لیے رضامند تھے اور جو اپنے روزانہ کے لائحۂ عمل کے ساتھ مصروف کار، برطانوی راج کے تحت خوش تھے۔

6.4 اخبارات سے (From newspapers)

انگریزی اور مختلف ہندوستانی زبانوں میں شائع ہونے والے ہم عصر اخبارات بھی ایک نہایت اہم ماخذ ہیں جو مہاتما گاندھی کی حرکات کا سراغ لگاتے اور ان کی سرگرمیوں کی خبریں شائع کرتے تھے یہ اخبارات اس بات کی بھی نمائندگی کرتے ہیں کہ عام ہندوستانی ان کے متعلق کیا سوچتے تھے اور تاہم اخبارات کے بیانات کو غیر متعصبانہ طور پر نہیں دیکھا جانا چاہیے۔ یہ اخبارات ایسے افراد کے ذریعہ شائع ہو رہے تھے جو اپنی سیاسی آراء اور دنیاوی نظریات رکھتے تھے۔ ان خیالات سے یہ متعین ہوتا تھا کہ کیا شائع کیا جائے اور واقعات کی خبر کس طرح دی جائے۔ اس لیے لندن کے اخبار میں شائع بیانات ہندوستانی قوم پرست اخبار میں شائع خبر سے مختلف ہی ہوں گے۔

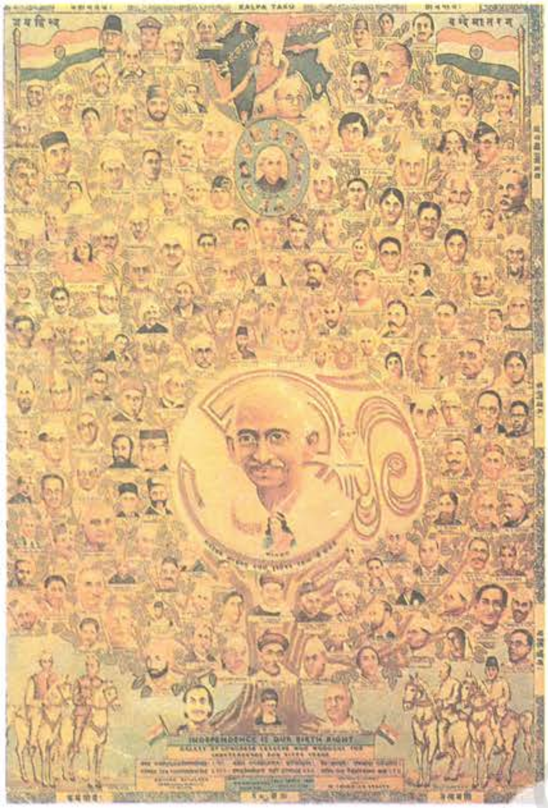

شکل 13.17

اس طرح کی تصاویر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گاندھی جی کے تئیں لوگوں کی فکر تھی اور مقبول عام تصاویر میں اس کی کس طرح ترجمانی کرتے تھے۔

قوم پرستی کے درخت کے اندر مہاتما گاندھی مرکزی شبیہہ کے طور پر نظر آرہے ہیں جن کے چاروں طرف دیگر لیڈران اور دانا لوگوں کی چھوٹی چھوٹی تصاویر ہیں۔

ہمیں ان رپورٹوں کے دیکھنے کی ضرورت تو ہے لیکن اس کی ترجمانی کرتے وقت ہمیں کافی محتاط ہونا ہوگا۔ ان میں شائع ہر بیان کو، سیاسی میدان میں کیا واقع ہوا تھا اس کی نمائندگی کے طور پر لفظ بہ لفظ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اکثر ان میں ایسے افسران کے خوف اور بے چینیاں منعکس ہوتی ہیں جو تحریک کو کنٹرول کرنے میں نااہل تھے اور اس تحریک کے پھیلنے کے متعلق مضطرب تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ مہاتما گاندھی کو گرفتار کرنا چاہیے یا نہیں یا گرفتار کرنے کے کیا معنی ہوں گے۔ نوآبادیاتی حکومت عوام اور اس کی سرگرمیوں پر جتنی زیادہ نظر رکھتی تھی اپنی حکومت کی اساس کے متعلق اس کی فکری مندی اور بڑھ جاتی تھی۔

ٹائم لائن

1915	گاندھی جی کی جنوبی افریقہ سے واپسی
1917	چمپارن تحریک
1918	کھیڑا (گجرات) میں کسانوں کی تحریکیں، اور احمد آباد میں کامگاروں کی تحریک
1919	رولٹ ستیہ گرہ (مارچ-اپریل)
1919	جلیانوالہ باغ قتل عام (اپریل)
1921	عدم تعاون تحریک اور خلافت تحریک
1928	باردولی میں کسان تحریک
1929	کانگریس کے لاہور اجلاس (دسمبر) میں پورن سوراج (مکمل سوراج) کے ہدف کی قرارداد کو قبول کرنا
1930	سول نافرمانی تحریک کی شروعات: ڈانڈی مارچ (مارچ-اپریل)
1931	گاندھی اروِن سمجھوتہ (مارچ): دوسری گول میز کانفرنس (دسمبر)
1931	گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں کسی قدر نمائندہ حکومت کی تشکیل کا وعدہ
1939	کانگریس وزارت کا استعفیٰ
1942	ہندستان چھوڑو تحریک کا آغاز (اگست)
1946	گاندھی جی کا فرقہ وارانہ تشدد کو روکنے کے لیے نوا کھالی اور دیگر فساد زدہ علاقوں کا دورہ

100 سے 150 لفظوں میں جواب دیجیے

1۔ گاندھی جی نے عام لوگوں کے ساتھ خود کو مماثل قرار دینے کی کوشش کس طرح کی؟

2۔ کسان گاندھی جی کو کس طرح دیکھتے تھے؟

3۔ نمک قانون جدوجہد آزادی کا ایک اہم مسئلہ کیوں بن گیا؟

4۔ قومی تحریک کے مطالعہ کے لیے اخبارات ایک اہم ماخذ کیوں ہیں؟

5۔ چرخہ کو قوم پرستی کی علامت کے طور پر کیوں منتخب کیا گیا؟

مندرجہ ذیل پر ایک مختصر مضمون (250 سے 300 الفاظ پر مشتمل) لکھیے

6۔ عدم تعاون (تحریک) احتجاج کی ایک شکل کس طرح تھا؟

7۔ گول میز کانفرنس کی بات چیت بے نتیجہ کیوں ثابت ہوئی؟

© NCERT not to be republished

8۔ گاندھی جی نے قومی تحریک کی نوعیت کو کس طرح بدل دیا؟ یہ ماخذ سرکاری ماخذات سے کس طرح مختلف ہوتے ہیں؟

نقشہ کا کام

10۔ ڈانڈی مارچ کے راستہ کو تلاش کیجیے۔ گجرات کے نقشے پر اس مارچ کے راستے کو بنائیے یہاں واقع بڑے قصبات اور گاؤں کو نشان زد کیجیے۔

پروجیکٹ (کوئی ایک)

11۔ قوم پرست لیڈروں میں سے کسی بھی دو کی خودنوشت سوانح عمریوں کو پڑھیے۔ اور دیکھیے کہ ان میں مصنفین نے اپنی زندگی اور عہد کو کن مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے اور قومی تحریک کی ترجمانی کی ہے۔ دیکھیے کس طرح ان کے خیالات مختلف ہیں۔ اپنے مطالعے کی بنیاد پر ایک بیان قلمبند کیجیے۔

12۔ قومی تحریک کے دوران واقع کسی واقعہ کا انتخاب کیجیے۔ اس کے ضمن میں اس زمانے کے لیڈران کے خطوط اور تقاریر کو حاصل کیجیے اور پڑھیے۔ ان میں سے کچھ اب شائع ہو چکی ہیں۔ جس جگہ آپ رہتے ہیں وہ اس علاقہ کا مقامی لیڈر بھی ہو سکتا ہے۔ کوشش کیجیے اور دیکھیے کہ کس طرح مقامی لیڈران اعلیٰ سطح پر قومی قیادت کی سرگرمیوں کو دیکھتے تھے۔ اپنے مطالعے کی بنیاد پر تحریک کے متعلق لکھیے۔

مزید معلومات کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کیجیے:

شیکھر بندھو پادھیائے۔ 2004
فرام پلاسی ٹو پارٹیشن: اے ہسٹری آف ماڈرن انڈیا،
اورینٹ لونگ مین۔ نئی دہلی

سروپلی گوپال، 1975
جواہرلعل نہرو: اے بائیو گرافی۔
جلد اول، 1947–1889
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، دہلی

ڈیوڈ ہارڈی مان، 2003
گاندھی ان ہنر ٹائم اینڈ اورس،
پرمانینٹ بلیک، نئی دہلی

گیانیندر پانڈے، 1978
دی اسکینڈینسی آف دی کانگریس ان
اتر پردیش، 34-1942
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، دہلی

سمیت سرکار، 1983
ماڈرن انڈیا 1947–1885
میک ملن، نئی دہلی

آپ مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں:

http:/www.gandhiseve.org/cwmgcwmg.html
(کلیکٹیڈ ورکس آف مہاتما گاندھی کے لیے)

© NCERT not to be republished